مشکل وقت میں کس کو پکارنا چاہیے

﴿ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تمھیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اگر اللہ تمھیں کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تمھارے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کر لے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' [یونس ۱۰: ۱۰۶، ۱۰۷]

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں پکارنا چاہیے کیوں کہ وہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے، نیز اگر انسان کو کوئی مصیبت آ جائے تو بھی اس کو دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

قرآن کا پیغام

عقل سے کام لے کر مطالعہ کائنات وحیات کا مشورہ دے کر قرآن پیچھے نہیں ہٹ جاتا بلکہ شہر زندگی کے مسافر کو ایک گائیڈ کی طرح اپنے ساتھ گھماتا ہے اور ایک ایک کر کے آیات حقیقت کو اس کے سامنے کھولتا ہے۔

وہ مونس وہمدم بن کر اس سے کہتا ہے کہ آؤ تمہارے ساتھ ہو کر تمہیں کچھ دکھاؤں۔ پیارے انسان یہ دیکھتے ہو کہ سورج کس باقاعدگی سے مشرق سے نکل کر مغرب میں ہر روز ڈوبتا ہے اور چاند تاروں کی گردش دیکھو، دن اور رات کا ادل بدل دیکھو، موسموں کے چرخے کا گھماؤ، دیکھو یہ مقررہ ڈھنگ سے چلنے والی ہوائیں یہ ہواؤں کے دوش پر لد کر آنے والے بادل اور پھر بادلوں کا کثیف بن جانا یہ مردہ زمینوں کا زندہ ہونا یہ ننھے ننھے بیجوں کا پھوٹنا، یہ نشوونما پاتی فصلیں یہ ہرے بھرے کھیت یہ طرح طرح کے درخت، ان پر لگنے والے مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھل، یہ زمین پر بنے ہوئے راستے اور ان کو نمایاں کرنے والے نشانات، یہ سمندروں پر تیرتی کشتیاں، یہ پہاڑ جیسی اٹھتی موجیں، یہ کشتیوں اور طوفانوں کی کشاکش میں انسانی زندگی کا ڈانواں ڈول ہونا، خود انسان کا اپنا نظام ولادت وپرورش، انسانوں کی شکلوں اور رنگوں اور بولیوں کا تفاوت، یہ تمہارے سامنے پھیلی ہوئی کتاب حقیقت کی روشن آیات ہیں۔ ان میں تم تین باتیں نمایاں دیکھتے ہو۔ ایک نظم وترتیب دوسرے توافق اور تیسرے حسن وجمال اور وہ دریافت کرتا ہے۔

﴿ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴾ [الملك:٣]

’’تو اللہ رحمٰن کی پیدائش وصفت خلق میں کوئی نقص وکوتاہی نہ پائے گا ایک بار ذرا نگاہ ڈال۔ کیا اس نظام میں کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔‘‘ قرآن اپنے شاگرد کو پھر توجہ دلاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں قانون کی پابند ہیں اور ایک اقتدار میں جکڑی ہوئی ہیں اتنے بھاری بھاری اَجرام اور عالم طبعی کو طوفانی طاقتوں کو ضوابط کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے اور وہ قوت برتر کے سامنے مطیع ومنقاد اور مسلم عاجز بنی ہوئی ہیں۔

﴿ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ﴾ [آلِ عمران:٨٣]

’’اور آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چاروناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں۔‘‘ اس استدلال کے راستے قرآن آدمی کو ساتھ لیے اس شعور تک پہنچاتا ہے کہ نظم وترتیب اور توازن وتوافق اور قانون وضابطہ اور حسن وجمال کے ساتھ چلنے والی اس دنیا میں جہاں پتہ پتہ، قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ (اور آج کی معلومات کے مطابق ایٹم کا ایک ایک برقیہ) ایک بندش میں جکڑا ہوا ہے خود تم بھی نہ تو عملاً آزاد ہو اور نہ آزادی کا استحقاق رکھتے ہو اور نہ ہی آزادی میں تمہارا بھلا ہے۔

یوں قرآن شہر زندگی کے انجان نووارد کو گھماتے پھراتے اور یہاں کے احوال کا مشاہدہ کراتے کراتے اس کے اندر غیر محسوس طور سے یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ یہاں تمہارا مقام مالک اور حاکم ومقتدر کا نہیں ہے بلکہ محکومی اور عبودیت کا ہے اور تمہاری خیر اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو ’’ملیک مقتدر‘‘ کی رضا کے حوالے کر دو۔ [الفرقان پارہ:۳۰،۱۸،۱۹]

فہرست

۞ جواھر پارے	مشکل وقت میں کس کو پکارنا چاہیے		1
۞ کلمہ طیبہ	قرآن کا پیغام	(شیخ عمر فاروق)	2
۞ اداریہ	آمین یارب العالمین آمین	(حافظ احمد شاکر)	5
۞ معاشرتی مسائل	مفرور لڑکیوں کا نکاح (۲)	(حافظ صلاح الدین یوسف)	7
۞ مسائل ودلائل	عدم سماع موتی کے دلائل (۳) آخری	(مولانا خاور رشید بٹ)	16
۞ بصیرت	حلم	(شیخ عمر فاروق)	21
۞ نقطۂ نظر	وطن کی سلامتی	(عطا محمد جنجوعہ)	26
۞ یادِ رفتگاں	داعی توحید مولانا مفتی اللہ بخش ملتانی	(حافظ ریاض احمد عاقب)	31
۞ شعر وادب	چلو!	(ماہر القادری)	35

دنیا کی طلب

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾

[بنی اسرائیل: ۱۷/ ۱۸]

”جو شخص جلد آنے والی دنیا کو چاہتا ہے تو ہم اس کو اس میں جو چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں جلد ہی دے دیتے ہیں پھر ہم اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ مذمت کیا ہوا راندہ ہوا داخل ہوگا۔“

دنیا سے انسان کا حق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ لِابْنِ اٰدَمَ حَقٌّ سِوٰى هٰذِهِ الْخِصَالِ (۱) بَيْتٍ يَّسْكُنُهٗ (۲) ثَوْبٍ يُّوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتَهٗ (۳) وَجِلْفِ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ۔

[ترمذی: ۲۳٤۱ وصححه والحاكم: ٤/ ۳۱۲]

”دنیا سے ابن آدم کا حق صرف یہ تین چیزیں ہیں:

① گھر جس میں وہ رہائش رکھے، ② کپڑا جس کے ساتھ وہ اپنا ننگ ڈھانپے، ③ روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔“

کھانا کھلانے والے کو دعا

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے ہاں مہمان ٹھہرے تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانے کے ساتھ برنی کھجور، پنیر اور گھی کا حلوا پیش کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ کھایا پھر آپ کے پاس کھجوریں لائی گئیں تو آپ انھیں تناول فرمانے لگے اور گٹھلیاں اپنی دو انگلیوں وسطی اور سبابہ کے درمیان یا ان کی پیٹھ پر رکھتے رہے۔ پھر آپ کے پاس کوئی پینے کی چیز لائی گئی تو آپ نے وہ پی لی۔ تو میرے باپ نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں تو آپ نے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔

”اے اللہ! جو کچھ تو نے ان کو دیا ہے اس میں برکت ڈال دے اور انھیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔“

[مسلم: ١٤٦/ ٢٠٤٢۔ ابوداؤد: ۳۷۲۹]

آمین یارب العالمین آمین

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

وطن عزیز آج کل دھماکوں، خودکش حملوں، توانائی کی قلت ومہنگائی، اشیائے ضرورت کی ہوشربا گرانی، بدامنی، بےروزگاری جیسے بحرانوں سے دوچار ہے۔ بجلی کی قلت یعنی لوڈشیڈنگ نے زندگی عذاب بنا رکھی ہے اور دریائی ونہری پانی کی عدم دستیابی کے نتائج کا جب تصور کیا جاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے فریج، فریزر، ائیرکنڈیشنز، ٹی وی اور اس کی آل اولاد، آلہ ہائے نغمہ وسرود، اور موبائل ٹیلی فون کی اس قدر بھرمار کردی ہے کہ اب سال بہ سال کی بجائے دن بہ دن بجلی کی کھپت بڑھ رہی ہے لیکن پیداوار بڑھنے کی بجائے شامت اعمال کے طور پر لمحہ بہ لمحہ گھٹ رہی ہے اور ہمارے کرتا دھرتا حکمران روزانہ نئے سے نیا بیان داغ کر اور لوڈشیڈنگ کی دسمبر ۲۰۰۹ء میں ختم ہونے کی نوید دیتے ہوئے خواب خرگوش سے خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں کہ ان کے علاقے لوڈشیڈنگ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ہماری حکومت نے توانائی کی پیداوار پر تو کوئی توجہ نہ دی ہاں توانائی کے استعمال کے لیے کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور نئے ٹی، وی چینلز کی اجازت دینے میں اس قدر دریادلی دکھائی کہ اب بیسیوں نئے ٹی، وی چینلز جاری ہوچکے ہیں۔ انارکی، آوارگی اور اخلاق باختگی کے علاوہ ان اشیاء سے توانائی کی جو کھپت بڑھ چکی ہے اس کا علاج اب لوڈشیڈنگ کی صورت میں بےگناہ عوام کو دیا جارہا ہے۔ دن بھر کا تھکا ماندہ مزدور رات جاگ کر گزارے، بچے چلاتے رہیں، بیمار تڑپتے رہیں حکمرانوں کی بلا سے۔ اگر بلاقیمت بجلی کا استعمال ممنوع کردیا جائے یعنی حکمران، سیاستدار، بیوروکریٹوں پر بجلی کے بل کی ادائیگی لازمی کردی جائے اور بجلی چوری پر قابو پالیا جائے تو بجلی کا بحران آدھے سے زیادہ ختم ہوسکتا ہے۔ لوڈشیڈنگ سے اگر عوام وخاص یعنی عوام اور حکمرانوں کو یکساں لذت آشنا کردیا جائے تو بھی اس بحران میں نمایاں کمی آسکتی ہے۔

حادثہ بہاولپور کے بعد پی۔ پی کے ایک دورِحکومت میں بجلی کم وبیش ایک سے ڈیڑھ روپیہ یونٹ تھی عوامی حکومت کی سربراہ نے جس وقت غیر ملکی کمپنیوں کو بجلی کی پیداوار کا ٹھیکہ دیا تو اس وقت انہی صفحات میں ۶/- سے ۷/- یونٹ تک ہوجانے کے خدشے کا اظہار کیا گیا تھا جب کہ عرصہ قبل یہ سرحدیں پھلانگی جاچکی ہیں۔ ان کمپنیوں کے حکومت کی طرف کچھ واجبات کا شہرہ بھی سنا گیا پھر مصنوعی تنفس سے بجلی رینگتی رہی لیکن سابقہ حکومت کے دور میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے وطن عزیز میں جس طرح الیکٹرانک (مصنوعی) اشیائے ضرورت کی یلغار کی اس سے بجلی کی کھپت میں اضافہ تو کئی سوگنا ہوگیا لیکن پیداوار میں قابل ذکر نہ اضافہ کیا گیا اور نہ ہی اس کے استعمال میں کنٹرول کیا گیا اور نہ ہی اس کی پیداوار بڑھانے کی کوئی فوری پالیسی اپنائی گئی۔ ہمارے حکمرانوں نے اپنے لیے وسائل پیدا کرنے کی بجائے مانگے تانگے ہی کو پالیسی بنالیا ہے جو کسی فرد، خاندان، قوم اور ملک کی تباہی کی بنیاد بن جاتی ہے۔

سوات آپریشن...... دونوں طرف...... کی ہلاکت خیزیاں دل ودماغ میں طوفان مچائے ہوئے ہیں۔ یہ آپریشن اب سوات کے بعد وزیرستان کی طرف رخ کررہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہمارا میڈیا اب دہشت گردوں، انتہا پسندوں اور جنگجوؤں کو جنوبی پنجاب کی طرف دھکیلنے لگ گیا ہے جو چغلی اس بات کی کھا رہا ہے کہ دہشت گردی کی یہ نام نہاد جنگ اب جنوبی پنجاب کی طرف منتقل ہونے والی ہے۔ اس جنگ کے نقصانات کس قدر ہیں اس کا احاطہ تو شاید آنے والا مؤرخ ہی کرپائے گا تاہم اس سے حکومتی لوٹ کھسوٹ، سیاست دانوں کی بدعنوانیاں اور بیوروکریسی کی خودغرضیوں پرنی

الحال پردہ اور وہ بھی خاصا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔عوام بے چارے گھر کی روٹی پوری کریں، چاردیواری کی حفاظت کریں، بچوں کو......اغوا برائے تاوان سے......بچائیں، یا دھماکوں میں کام آنے والوں کو روئیں، ان کے بلکتے بچے چپ کرائیں، ان کے تڑپتے والدین کو دلاسہ دیں، دوپٹوں سے ان کی بہنوں کے سر ڈھانپیں یا بچھڑ جانے والوں کے بھائیوں کو پرسہ دیں۔کاش کہ عساکر پاکستان کی قیادت کی طرح ہمارے حکم رانوں کو یہ بصیرت اور حوصلہ نصیب ہوجائے کہ وہ اپنے دماغ سے سوچیں، اپنی عقل سے فیصلے کریں اور اپنی اپنی ذات پر دین، امت اور وطن کو ترجیح دینے کی اللہ سے توفیق طلب کریں، آمین آمین یارب العالمین۔

میاں طفیل محمد کا سانحہ ارتحال

جماعت اسلامی کے بانی رکن سابق قیم اور سابق امیر جماعت میاں طفیل محمد صاحب ۲۵ جون ۲۰۰۹ء بروز جمعرات ۹۶ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میاں صاحب رحمہ اللہ گزشتہ بیس بائیس روز سے دماغ کی شریان زخمی ہونے کے عارضے میں مبتلا ہو کر شیخ زائد ہسپتال میں زیر علاج تھے۔

میاں طفیل محمد صاحب ۱۹۱۴ء کو ریاست کپورتھلہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے فزکس اور ریاضی میں فسٹ ڈویژن کے ساتھ بی اے آنرز کیا اور ۱۹۳۷ء میں لاء کالج لاہور سے قانون شہادت اور لیڈ لاز میں بھی آنرز کے ساتھ ایل۔ایل۔بی بھی فسٹ ڈویژن میں کیا جوان کی خداداد ذہانت اور ان تھک محنت کی دلیل ہے۔

میاں صاحب جماعت کے مؤسس اور امیر اوّل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دست راست رہے۔وہ مولانا کے نہایت معتمد علیہ تھے۔میاں صاحب نے حیات مستعار کے لیے جس راستے کو اختیار کیا وہ عمر بھر اسی پر رواں دواں رہے اور صحیح بات یہ ہے کہ میاں صاحب نے اس کے بانی سے عقیدت، جماعت سے وابستگی اور اس کے مقاصد کی محبت میں ساری عمر بتا دی۔

میاں صاحب کا کردار واضح کرتا ہے کہ میاں صاحب روز اوّل ہی سے جماعت میں ''کافۃ'' داخل ہو گئے تھے۔اکتوبر ۱۹۷۲ء میں جب مولانا رحمہ اللہ نے خرابی صحت کی بنا پر جماعت کے منصب امارت سے علیحدگی اختیار کی تو جماعت نے میاں صاحب کو جماعت کا امیر منتخب کرلیا۔امیر ہونے کے بعد میاں صاحب فنا فی الجماعت ہوگئے تھے۔اس لیے ان کی سوچ اور فکر کو جماعت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔جماعت کی فکر، تشکیل کے بنیادی فلسفے اور اغراض ومقاصد سے اختلاف تو ممکن ہوسکتا ہے۔لیکن میاں صاحب کی ذاتی شرافت ومتانت، دیانت وامانت اور اخلاص وللّٰہیت میں جماعت کا کٹر مخالف بھی میاں صاحب کے کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔

میاں صاحب الاعتصام کے مؤسس وبانی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ان کی طویل بیماری کے ایام میں میاں صاحب رحمہ اللہ گاہے گاہے بیمار پرسی کے لیے تشریف لاتے رہے۔ادارہ الاعتصام اور اس کے کارکنان میاں صاحب کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا گو ہیں۔میاں صاحب کی اولاد واحفاد اور جماعت میں ان کے رفقاء وکارکنان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وقه فتنة القبر وعذاب النار وادخله الجنة الفردوس۔

معاشرتی مسائل

مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں؟ 2

ایک سلگتا ہوا معاشی مسئلہ

تالیف وترتیب: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

شانِ نزول اور تفسیری روایات کی اہمیت:

قرآنِ کریم کی کسی آیت سے استدلال میں شانِ نزول یا حدیث میں بیان کردہ تفسیر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اور شانِ نزول یا اس کا مطلب صحیح روایات میں بیان ہوا ہو تو اسی کی روشنی اور پس منظر میں اس آیت کا معنی ومفہوم اور مطلب متعین ہوگا۔ اسے نظر انداز کر کے اس کی تفسیر غیر صحیح اور گمراہی کا باعث ہوگی۔ اسی لیے صحابہ وتابعین اور ائمہ حدیث شانِ نزول اور تفسیری روایات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اسے اہمیت نہیں دی، وہ گمراہی کا شکار ہوئے اور انہوں نے اُس اسلام کو سمجھنے میں سخت ٹھوکریں کھائیں جو نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ اور جس پر صحابہ وتابعین نے عمل کیا اور آج بھی وہ قرآن واحادیث صحیحہ میں موجود اور محفوظ ہے۔ اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

❀ ......سورۂ نساء میں بدکار عورتوں کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو ابتدائے اسلام میں عارضی طور پر تھی اور وہ یہ تھی کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھو، یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راستہ بنائے۔ ﴿اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ [النساء:١٥]

بعد میں اس راستے (سبیل) کی وضاحت یہ کی گئی کہ غیر شادی شدہ زانی مرد وعورت کو سو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگساری کی سزا دی جائے۔ سبیل کی یہ وضاحت نبی ﷺ نے اس موقعے پر فرمائی جب قرآنِ کریم میں زانیوں کی سزا کا یہ حکم نازل ہوا:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور ٢٤:٢]

''زنا کار عورت اور زنا کار مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو''

نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق بدکار مرد وعورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو۔ اور وہ ہے کنوارے مرد وعورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد وعورت کو سو سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔''

[صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا]

پھر نبی ﷺ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا، صرف رجم ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء وعلماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔

حد رجم پر امت کا یہ اتفاق اسی بنیاد پر ہے کہ مذکورہ آیت سورۂ نور کے شانِ نزول اور اس کی اس تفسیر کو تسلیم کیا گیا جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے اور اسی بنیاد پر قرآن میں بیان کردہ حد زنا کو صرف کنوارے زانیوں کے لیے مخصوص سمجھا گیا۔ لیکن جن لوگوں نے حدیث کے ماخذ شرعی ہونے سے انکار کیا اور تفسیری روایات اور شانِ نزول کو اہمیت نہیں دی، بلکہ صرف الفاظ قرآن کے لغوی مفہوم کو کافی سمجھا، وہ گمراہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ قرآنِ کریم میں حد رجم کا بیان نہیں ہے۔ اس لیے

اسلام میں یہ سزا نہیں ہے اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں قسم کے زانیوں کے لیے صرف سو کوڑے ہی ہیں جو سورۂ نور میں بیان ہوئے ہیں۔ حتی کہ شرعی عدالت کے پہلے چیف جسٹس (جسے اس وقت چیئر مین کہا جاتا تھا) نے بھی اپنے ایک فیصلے میں یہی رائے دی، کیوں کہ وہ بھی قرآن فہمی کے لیے حدیث کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔

اس فیصلے کے خلاف پورے ملک میں شدید احتجاج ہوا اور اسے مسلمات اسلامیہ سے انحراف قرار دیا گیا۔ یہ احتجاج بجا تھا اور یہ واقعی اجماع امت سے انحراف تھا جو بہت بڑی گمراہی تھی۔ چناں چہ بعد میں شرعی عدالت میں علماء کو بھی شامل کیا گیا اور دوبارہ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی عدالت نے اس کی بابت صحیح فیصلہ دیا اور حد رجم کو ایک متفق علیہ اسلامی سزا تسلیم کیا، جو شادی شدہ زانیوں کے لیے ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شرعی مسائل میں صرف انگریزی دان اور علوم اسلامیہ سے بے بہرہ جج حضرات فیصلہ کرنے کے اہل نہیں، گو وہ قرآن دانی وقرآن فہمی کا لاکھ دعویٰ کریں، کیوں کہ ان کا قرآنی علم صرف اردو تراجم تک محدود ہے۔ علاوہ ازیں قرآن وحدیث کے باہمی تعلق کی صحیح نوعیت سے بھی وہ بالعموم ناآشنا ہیں، جس کی وجہ سے وہ احادیث کو اہمیت نہیں دیتے اور یوں غلط فیصلہ دے کر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور ((ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا)) کا مصداق بنتے ہیں۔ اعاذنا الله منه

❀......اس کی ایک دوسری مثال قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد، مطلقہ پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ [البقرة ٢: ٢٣٠]

نکاح کا لفظ عربی زبان میں عقد نکاح اور ہم بستری (جماع، وطی) دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں نے کہا کہ مطلقہ ثلاثہ، اگر کسی شخص سے صرف نکاح کر کے طلاق حاصل کر لے اور اس سے ہم بستری نہ کرے، تو اس کے لیے پہلے خاوند سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ کیوں کہ نکاح کے ایک معنی عقد نکاح کے بھی ہیں۔ جب کہ جمہور علماء وفقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں نکاح ہم بستری کے معنی میں ہے۔ کیوں کہ صحیح حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک عورت نے، جس کو اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی تھیں، اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد، ہم بستری کے بغیر، پہلے خاوند کے ساتھ ہی نکاح کرنا چاہا تو نبی ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ جب تک تو اس کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے، اس وقت تک تو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔

" لَا حَتّٰى تَذُوْقِىْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ۔"

[صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب: ٣٧]

اس حدیث نے قرآنِ کریم کے اس مقام پر نکاح کے دو معنوں میں سے ایک معنی کو متعین کر دیا ہے اور وہ ہے ہم بستری کرنا۔ حدیث میں اس وضاحت کے بعد محض لغوی مفہوم کی بنیاد پر یہاں نکاح کو بمعنی عقد نکاح لے کر۔ پہلا موقف اختیار کرنا سراسر گمراہی اور اجماع امت سے انحراف ہے۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے بھی اسی گمراہی کو اختیار کیا ہے، کیوں کہ ان صاحب نے بھی تفسیر قرآن میں احادیث سے سخت بے اعتنائی برتی ہے اور محض لغت کے زور پر یا جاہلی کلام کی بنیاد پر ''تدبر'' فرمایا ہے جس کی وجہ سے ان کی تفسیر بھی ''اعتزال جدید'' کا ایک نمونہ یا مشہور اعتزالی تفسیر ''الکشاف'' کا اردو ایڈیشن ہی بن کر رہ گیا ہے۔

❀......تیسری مثال نسخ کے مسئلے کی ہے۔ جنہوں نے احادیث کو نظر انداز کیا، انہوں نے نسخ کے وجود سے انکار کر دیا، جیسے ابو مسلم معتزلی اور صاحب ''تدبر قرآن'' نے کیا ہے۔ جب کہ جمہور علماء ومفسرین سب نسخ کو تسلیم کرتے ہیں۔

یہ تین مثالیں بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں، ورنہ اس کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے واضح ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھا نہیں جا سکتا، جس نے بھی احادیث کے بغیر صرف قرآن کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے، وہ گمراہی کا

شکار ہوا ہے۔

نسبت نکاح عورت کی طرف کرنے سے، ولایت کی اہمیت ختم یا کم نہیں ہوسکتی: اس نکتے سے اس امر کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ قرآنِ کریم کی آیت:

﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ [البقرۃ ۲:۲۳۰]

اور

﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ [البقرۃ ۲:۲۳۲]

میں نکاح کی نسبت جو عورتوں کی طرف کی گئی ہے، تو اس کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ عورت ولی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، جیسا کہ بعض حضرات استدلال کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ مطلب قرآنِ کریم کی دوسری آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ ان دونوں مقامات پر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ عورت خود اپنا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بلکہ دوسرے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ جب تک کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ شادی نہیں کرے گی اور اس سے اس کا تعلق زوجیت قائم نہیں ہوگا، وہ اس وقت تک پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اور دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ پہلی یا دوسری طلاق یافتہ عورت اگر اپنے طلاق دینے والے خاوند سے (عدت گزرنے کے بعد) دوبارہ نکاح کرنا پسند کرے تو تم اس کی راہ میں رکاوٹ مت بنو۔ لیکن یہ نکاح کس طرح ہوگا؟ اس کی وضاحت یہاں نہیں ہے، قرآن وحدیث کے دوسرے مقامات پر اس کا بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ نکاح ولی کی اجازت اور رضامندی سے ہی ہوگا۔ کیوں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے قرآنِ کریم میں عورتوں کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾ [النور ۲۴:۳۲]

''تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں ان کے نکاح کردو۔''

اولیاء کو یہ حکم یا اختیار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جس طرح چاہیں، نکاح کردیں، بلکہ ان کا یہ اختیار بھی مشروط ہوگا دوسرے مقامات پر بیان کردہ باتوں کے ساتھ۔ مثلاً وہ جبر کرکے عورت کا نکاح نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے۔ عورت کا نکاح کرتے وقت اس کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح عدت کے اندر یا حالت احرام میں نکاح نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ ان حالات میں نکاح کی ممانعت ہے۔ وعلی ہذا القیاس

ولی کا اختیار نکاح شرائط ثابتہ کے ساتھ مشروط ہوگا۔ اسی طرح مذکورہ دونوں مقامات پر بھی محض نسبت نکاح عورت کی طرف کردینے سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ از خود نکاح کرسکتی ہے، بلکہ نکاح کا یہ معاملہ اسی طریقے سے سرانجام پائے گا جو قرآن وحدیث کی رو سے ضروری ہے اور اس کی رو سے جہاں عورت کی رضامندی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہاں ولی کی ولایت اور اس کی اجازت بھی ضروری ہے۔

دیگر قرآنی دلائل:

مذکورہ آیات قرآنی کے علاوہ جو مسئلہ زیر بحث میں نصوص کی حیثیت رکھتی ہیں، اور بعض آیات ہیں جن سے بالواسطہ یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسے عورتوں سے نکاح کرنے کے معاملے میں نبی ﷺ کے لیے بعض خصوصی احکام تھے، جن میں امتیوں کو آپ کی اقتداء کرنا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں حرام ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ عورتوں کو اپنے حرم میں رکھا۔ یہ آپ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں آپ امت میں ممتاز ہیں، کسی اور کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔

انہی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ کے ساتھ نکاح کرنے والی عورت کے لیے ولی کی اجازت ضروری نہیں تھی۔ آپ کا کسی عورت سے اس کے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اور اسی طرح حق مہر کے بغیر بھی نکاح جائز تھا۔ جیسے زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب سے آپ کا نکاح ہوا۔ صرف اللہ کے اس فرمان ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ''ہم نے اس زینب سے آپ کا نکاح کردیا۔'' سے آپ کا نکاح ہوگیا، نہ ولی کی اجازت کی ضرورت سمجھی گئی نہ حق مہر مقرر کرنے کی۔

اسی لیے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دیگر ازواجِ مطہرات سے یہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے کروایا اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کروایا ہے۔ [احکام القرآن، ابن العربی]

گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کے آسمانی نکاح سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ آپ کے لیے ولایت کی ضرورت نہیں تھی۔ جس سے ازخود یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ کی امت کے لیے یہ ضروری ہے۔ کیوں کہ آپ کی خصوصیات میں کسی امتی کے لیے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ چناں چہ امام قرطبی رحمہ اللہ ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ [الاحزاب: ۳۷] کے تحت فرماتے ہیں:

" دَلِيلٌ عَلٰى ثُبُوتِ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ ـ" [تفسیر قرطبی: ۱۹۵/۷]

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ (عام لوگوں کے لیے) نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے۔''

اسی طرح قرآنِ کریم کی آیت ہے:

﴿ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[الاحزاب ۳۳: ۵۰]

''اگر کوئی مومن عورت اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کردے اور آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا آپ کے لیے جائز ہے، لیکن یہ صرف آپ کے لیے خاص ہے، یہ اجازت دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔''

اس سے بھی متعدد مفسرین نے مسئلہ ولایت نکاح کا اثبات کیا ہے۔ کیوں کہ محض کسی عورت کا اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردینے سے اس کے ساتھ آپ کا نکاح ہوجانا، بشرطیکہ آپ اسے قبول فرمالیں، صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے کسی اور شخص کا نکاح اس طرح کسی عورت سے نہیں ہوسکتا۔ وہاں تو عورت کی رضامندی کے ساتھ ولی کی اجازت اور رضامندی بھی ضروری ہے۔ چناں چہ اس آیت کے ماتحت امام ابن جریر طبری اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

" لَيْسَ لِامْرَأَةٍ تَهَبُ نَفْسَهَا لِرَجُلٍ بِغَيْرِ وَلِيٍّ وَلَا مَهْرٍ إِلَّا لِلنَّبِيِّ ﷺ ـ" [تفسیر طبری وتفسیر ابن کثیر]

''کسی عورت کا، ولی کی اجازت اور مہر کے تقرر کے بغیر، اپنے آپ کو کسی مرد کے لیے ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا۔''

اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً: ان فرض چیزوں کا جو صرف آپ پر فرض تھیں، امت کو ان کا مکلّف نہیں بنایا گیا۔ ان محرمات کا جو صرف آپ کے لیے حرام تھیں، امت کے لیے ان کو حرام نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ان حلال چیزوں کا، جو صرف آپ کے لیے حلال تھیں، امت کے لے وہ حلال نہیں۔ انہی حلال چیزوں میں ولی کے بغیر نکاح کا حلال ہونا ہے۔

[تفسیر القرطبی: ۲۱۲/۷، احکام القرآن لابن العربی: ۱۵۵۰/۳]

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امت کے لیے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ ﴾

[الاحزاب ۳۳: ۵۰]

''یعنی ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں کی بابت جو چیزیں فرض کی ہیں، ان کو ہم جانتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ نکاح کے سلسلے میں جو حقوق وشرائط عام مومنوں کے لیے ہم نے ضروری قرار دیے ہیں، ان سے انحراف واعراض کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ ان کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہی جائز ہے۔ کیوں کہ وہ مومنوں ہی کے لیے ضروری ہیں۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے ضروری نہیں، اور نکاح کے معاملے میں آپ کو جو خصوصی امتیازات حاصل ہیں، وہ دیگر مومنوں کے لیے نہیں ہیں۔ پس کوئی مومن، ولی، مہر اور گواہوں کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ اسی طرح چار سے زیادہ عورتوں کو ایک ہی وقت میں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چاروں چیزوں سے مستثنیٰ کردیا گیا تھا۔ مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُجَاهِدٌ وَالْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَابْنُ جَرِيْرٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ ﴾ اَيْ حَصَرَهُمْ فِيْ اَرْبَعِ نِسْوَةٍ حَرَائِرَ وَمَا شَآءُوْا مِنَ الْـإِمَـآءِ وَاشْتِرَاطِ الْوَلِيِّ وَّالْمَهْرِ وَالشُّهُوْدِ عَـلَيْهِـمْ ...... وَقَدْ رَخَّصْنَا لَكَ فِيْ ذٰلِكَ فَلَمْ نُوْجِبْ عَلَيْكَ شَيْئًا مِّنْهُ ـ" [تفسير ابن كثير، سورة الاحزاب]

''حضرت ابی بن کعب، مجاہد، حسن، قتادہ اور ابن جریر ﷭ نے آیت ﴿ قد علمنا ما فرضنا ...... ﴾ کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ مومن مرد چار آزاد عورتوں سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتے، البتہ لونڈیاں جتنی چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لیے ولی، مہر اور گواہ کی بھی شرط ہے۔ اور اے پیغمبر ان احکام میں اہم نے آپ کو رخصت عطا کی ہے اور ان میں سے کسی بھی چیز کو آپ پر فرض نہیں کیا۔''

اور امام قرطبی فرماتے ہیں:

" اَيْ مَا أَوْحَيْنَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، وَهُوَ اَلَّا يَتَزَوَّجُوْا إِلَّا اَرْبَعَ نِسْوَةٍ، بِمَهْرٍ وَّبَيِّنَةٍ وَّ وَلِيٍّ ـ" [القرطبی]

''یعنی مومنوں پر جو چیزیں ہم نے واجب کی ہیں (ہم جانتے ہیں) اور وہ یہ ہیں کہ وہ (بہ یک وقت) صرف چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں، اور وہ بھی حق مہر، گواہوں اور ولی کے ساتھ۔''

امام ابن جریر طبری ﷫ نے یہی کچھ لکھا اور امام شوکانی ﷫ فرماتے ہیں:

" فَلَا يَتَـزَوَّجُـوْا إِلَّا اَرْبَعًا بِمَهْرٍ وَّبَيِّنَةٍ وَّ وَلِيٍّ ـ" [فتح القدير: ٤/ ٤١١]

''پس عام لوگ (نبی ﷺ کے برعکس) چار سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کریں، اور نکاح بھی مہر، گواہوں اور ولی کے ساتھ کریں۔''

یعنی مہر، گواہ اور ولی، نکاح کے لیے ضروری ہیں، جب کہ یہ نبی ﷺ کے لیے ضروری نہیں۔ ان دلائل قرآنی کے علاوہ بعض مفسرین نے حضرت شعیب ؈ کے اس قول سے ولایت نکاح کا اثبات کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت موسیٰ ؈ سے خطاب کر کے فرمایا تھا:

﴿ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ ﴾ [القصص ٢٨: ٢٧]

''میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کرنا چاہتا ہوں۔''

یہاں حضرت شعیب ؈ کے اس قول سے بھی واضح ہے کہ نکاح کی ذمے داری والد یا کسی اور قریبی ولی ہی کی ہے، نہ کہ عورت اپنی آزادانہ مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ ولایت نکاح کا مسئلہ قرآنِ کریم سے تین طریقوں سے ثابت ہے:

اوّلاً: نصوص قرآنی سے یا بدرجہ تنزل اشارۃ النص سے (جیسا کہ تفصیل گزری۔)

ثانیاً: شانِ نزول کے اعتبار سے، جیسا کہ حضرت معقل بن یسار ؓ کی ہمشیرہ کا واقعہ ہے۔

ثالثاً: احادیث سے، کیوں کہ حدیث ہی قرآنِ کریم کی سب سے معتبر تفسیر اور مستندترین شرح ہے، جس مسئلے کی بابت صحیح حدیث ہوگی، وہ حدیث اس میں دلیل قطعی ہوگی اور اسی کی روشنی میں قرآن کا مفہوم اور اس کی مراد متعین ہوگی۔ کیوں کہ حدیث بھی دین کا ماخذ اور شرعی حجت ہے اور اس کا انکار بھی قرآنِ کریم کے انکار کی طرح کفر وضلالت ہے اور مسئلہ زیر بحث میں تو قرآن وحدیث دونوں میں ہی نصوص صریحہ موجود ہیں، جن کا انکار یا ان کی دور از کار تاویل، روزِ روشن میں سورج کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

حدیثی دلائل:

اب ہم ذیل میں چند احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں پوری صراحت سے ولایت نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے:

" لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ ـ" [سنن أبي داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجه]

''ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔''

یہ روایت جسے متواتر تک کہا گیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری،

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم چار صحابہ سے مروی ہے۔ اس کی پوری تفصیل ان کی اسنادی تحقیق اور حدیث کی کن کن کتابوں میں مذکورہ اصحاب کی روایات ہیں۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے [ارواء الغلیل: ۶/۲۴۳۔۲۳۵] میں درج کی ہیں اور انہیں صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ البانی (المتوفی ۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء) عصر حاضر کے عظیم محدث تھے۔ اس دور میں انہوں نے احادیث کی تحقیق اور چھان پھٹک کا جو عظیم الشان اور بے مثال کام کیا ہے، اہل علم اس سے واقف ہیں۔ ہم ان کی اسی کتاب سے اس موضوع کی چند اور احادیث، جنہیں انہوں نے صحیح قرار دیا ہے، نقل کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے مکمل حوالے اور ان پر اسنادی بحث موجود ہے جسے اہل علم وتحقیق ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہ صفحات ان تفصیلات کے متحمل نہیں، اس لیے ہم یہاں صرف احادیث صحیحہ نقل کر کے دوسرے نکتوں پر بحث کریں گے۔

" عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوعًا أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا" [أبی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرهم]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، اگر ان کا آپس میں ملاپ ہوگیا ہے تو اس کی وجہ سے حق مہر اس عورت کو دیا جائے گا، اگر (اولیاء کا) اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت ہر اس عورت کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

یہ روایت سنداً صحیح اور مسئلہ زیر بحث میں واضح اور فیصلہ کن ہے۔

" عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا لَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا۔" [سنن ابن ماجه، دار قطنی]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔''

اس حدیث میں ولایت کے لیے مرد کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی باپ کی بجائے ماں ولی نہیں بن سکتی، نہ لڑکی از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ باپ نہ ہو تو اس کا چچا، بھائی وغیرہ ولی بنے گا، کوئی بھی نہیں ہوگا تو حاکم وقت یا قاضی اس کا ولی ہوگا، جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان فرماتی ہیں کہ ''زمانہ جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں، ایک قسم وہ جو لوگوں میں آج کل رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اس کی کسی عزیزہ یا بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، وہ اسے قبول کر کے اس کے لیے حق مہر کا تعین کر دیتا اور نکاح کر دیتا ہے۔ (اس کے بعد نکاح کی تین قسمیں اور بیان کی اور آخر میں فرمایا) جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو ختم کر دیا اور صرف آج کل کے رائج نکاح کو باقی رکھا۔ [صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی]

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے صرف اس نکاح کو جائز رکھا ہے جو ولی کی وساطت سے کیا گیا ہو۔ باقی تمام نکاح باطل کر دیئے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کا واقعہ، جو قرآنِ کریم کی آیت ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ [البقرۃ ۲:۲۳۲] کے شانِ نزول کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ وہ اس مسئلے میں نص قطعی کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے واضح ہے کہ کوئی عورت، ولی کی رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔

مذکورہ احادیث پر اعتراضات اور ان کی حیثیت:

بعض لوگ ان احادیث صحیحہ کو ردّ کرنے کے لیے مختلف باتیں کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی جائزہ لے لیا جائے:

①......بعض کہتے ہیں کہ یہ روایات سنداً کمزور ہیں، لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ عصر حاضر کے عظیم محدث شیخ البانی رحمہ اللہ نے ان روایات پر مفصل بحث کر کے ان کو صحیح قرار دیا ہے جس کی پوری تفصیل کتاب [اواء الغلیل :٦] میں موجود ہے۔ گویا تحقیق حدیث کے محدثانہ اصول کی روشنی میں یہ روایات صحیح ہیں، جس کے بعد کسی کو مجال انکار نہیں۔

علاوہ ازیں علامہ انور شاہ کشمیری نے [فیض الباری] میں یہ روایات نقل کی ہیں اور ان کے حسن یا صحیح ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ علامہ کاشمیری کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں، علمائے احناف کے ہاں ان کی عظمت اور محدثانہ حیثیت مسلم ہے۔ موجودہ علمائے احناف کی اکثریت بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی کی شاگرد ہے اور ان کی علمی عظمت کی وجہ سے ان سے غایت درجہ عقیدت رکھتی ہے۔ علامہ کاشمیری کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان احادیث کی تضعیف کرے جن کو انہوں نے رد نہیں کیا، جب کہ دیگر محدثین کے ہاں ان کو پہلے ہی درجۂ قبولیت حاصل ہے۔

②......بعض حضرات نے ان احادیث کو نابالغ اور مجنون (پاگل دیوانہ) بچیوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یعنی ان کا نکاح ولی کے بغیر صحیح نہیں، لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ یہ احادیث عام ہیں، ان میں بالغ اور نابالغ، عاقل اور مجنون (پاگل) سب شامل ہیں۔ سب میں ولی کی ولایت ضروری ہے۔ کیوں کہ اس کی وجہ عورت کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ مرد کے مقابلے میں جذباتی ہوتی ہے، بالخصوص جوان اور بالغ عورت، وہ جذبات میں اکثر غلط فیصلہ کر لیتی ہے اور اپنا اختیار صحیح طریقے سے استعمال نہیں کر سکتی اور مستقبل کے لیے جس بالغ نظری، دوراندیشی اور گہرائی میں اتر کر تجزیہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، عورت کے جذباتی فیصلوں میں اکثر ان کی کمی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر لو میرج (محبت کی شادی) کی عمر دیرپا نہیں ہوتی، جذبات کا یہ جوش جلد ہی سرد پڑ جاتا ہے اور جب ہوش آتا ہے تو سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے اور پھر معاملہ

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصالِ صنم

کے مصداق، ایسی عورتیں گھر کی رہتی ہیں نہ گھاٹ کی۔ اخبارات کے ذریعے سے آئے دن اس کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ میاں صلاح الدین کے بیٹے یوسف کا اس کی بیوی انبساط کے ساتھ یہی معاملہ ہوا، یحییٰ بختیار کی اداکارہ بیٹی زیبا بختیار کی لو میرج کا انجام بھی ایک بیٹے کی ولادت کے بعد ہی سخت عبرت ناک ہوا۔ حتیٰ کہ اس کے شوہر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ لوگ لو میرج سے بچیں، اس کا انجام اچھا نہیں اور والدین کی رضامندی سے طے پانی والی شادیاں ہی صحیح اور دیرپا ہوتی ہیں۔ [روزنامہ 'جنگ' لاہور۔ جون ۱۹۹۷ء]

اس کے برعکس مرد کے فیصلے بالعموم جذباتیت کی بجائے، عقل ودانش اور دوراندیشی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے طلاق کا حق صرف مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں، اگر عورت کو بھی طلاق کا حق حاصل ہوتا تو وہ اکثر جذبات میں آ کر مرد کو طلاق دے دیا کرتی۔ بہت سے جاہل اور شریعت سے ناواقف مرد بھی اگرچہ اپنا حق طلاق غلط طریقے سے استعمال کرتے ہیں، لیکن عورتوں کو اگر یہ حق حاصل ہوتا تو شرح طلاق اتنی زیادہ ہوتی کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے (البتہ مغربی معاشرے میں عورت کو بھی حق طلاق حاصل ہے، وہاں کی شرح طلاق سے ہماری بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔) اسلام ایک دین فطرت ہے، جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عورت کے اندر جو فطری کمزوریاں ہیں، اس کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے بعض احکام میں مرد وعورت کے درمیان امتیاز کیا ہے، انہی امتیازی احکام میں یہ حق ولایت اور حق طلاق بھی ہے جو صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو نہیں۔

بنابریں علمائے اسلام نے مرد کے حق ولایت کے دلائل میں ایک دلیل اس نکتے کو بھی بنایا ہے جس کا ذکر ہم نے مذکورہ سطور میں کیا ہے۔ چناں چہ قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

" إِنَّ لِلْوَلِيِّ النِّكَاحَ، وَإِنَّمَا شُرِعَ لِقِلَّةِ الثِّقَةِ بِالْمَرْأَةِ فِي اخْتِيَارِ أَعْيَانِ الْأَزْوَاجِ وَخَوْفِ غَلَبَةِ الشَّهْوَةِ فِي نِكَاحِ غَيْرِ الْكُفْءِ وَالْحَاقِ الْعَارِ بِالْأَوْلِيَاءِ۔"

[احكام القرآن: ١٥٤/٣، تفسير سورة الاحزاب: ١٥]

''نکاح کا اختیار ولی کو ہے اور شریعت نے یہ حق مرد کو اس لیے دیا ہے کہ خاوندوں کے پسند کرنے میں عورت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ اندیشہ ہے کہ عورت غلبۂ شہوت کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کر لے اور (اس طرح) عورت کے اولیاء کو ذلت وعار کا سامنا کرنا پڑے۔''

عصر حاضر کے ایک فاضل محقق ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی (شامی) احادیث ((لا نکاح الا بولی)) وغیرہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ثَـانِيًـا أَنَّ الـزَّوَاجَ عَـقْـدٌ خَـطِيْـرٌ دَائِـمٌ ذُوْ مَقَاصِدَ مُتَـعَـدَّدَةٍ مِـنْ تَـكْوِيْنِ أُسْـرَةٍ وَتَـحْـقِيْـقٍ وَّاسْتِقْرَارٍ وَّغَيْـرِهَـا، وَالـرَّجُـلُ بِـمَا لَدَيْهِ مِنْ خُبْرَةٍ وَّاسِعَةٍ فِيْ شُـئُـوْنِ الْحَيَاةِ اَقْدَرُ عَلٰى مُرَاعَاةِ هٰذِهِ الْمَقَاصِدِ، أَمَّا الْمَرْأَةُ فَـخُبْـرَتُـهَـا مَحْدُوْدَةٌ، وَتَتَأَثَّرُ بِظُرُوْفٍ وَّقْتِيَّةٍ، فَمِنَ الْمُصْلَحَةِ لَهَا تَفْوِيْضُ الْعَقْدِ لِوَلِيِّهَا دُوْنَهَا ـ"

[الفقة الاسلامی وادلته: ۱۹۵/۷]

''ثانیاً، شادی ایک نہایت اہم معاملہ اور دائمی عقد ہے جس کے متعدد مقاصد ہیں، جیسے خاندان کا قیام اور اس کا استقرار واثبات وغیرہ اور زندگی کے معاملات میں چوں کہ مرد کو ہی وسیع تجربہ حاصل ہوتا ہے، اس لیے وہی ان مقاصد کی رعایت اوران کا اہتمام کرنے پر زیادہ قادر ہے، جب کہ عورت کا تجربہ محدود ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ وقتی حالات سے جلد متاثر ہو جاتی ہے، اس لیے عورت کی بہتری اسی میں ہے کہ عقد نکاح کا اختیار اس کے ولی کے ہی سپرد ہو، نہ کہ عورت کے۔''

③...... بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث نمبر: ۲ میں، جس میں ولی کے بغیر کیے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے، اس میں ہم بستری ہو جانے کی ضرورت میں عورت کو حق مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح باطل نہیں، فاسد ہے۔ یعنی نکاح اگرچہ غلط طریقے یعنی ولی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے، مگر منعقد ہو گیا ہے، اسی لیے تو حق مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تاویل یا قیاس نص کے مقابلے میں ہے اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کو تاکید اور تکرار کے ساتھ تین مرتبہ باطل کہا ہے، تو یقیناً ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح، باطل ہی ہوگا۔ یعنی سرے سے وہ منعقد ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ اس کو فاسد کے معنی میں نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ باطل اور صحیح کے درمیان ایک تیسری چیز...... فاسد...... یہ بعد کے فقہاء کی ایجاد ہے۔ قرآن وحدیث میں اس لفظ کا استعمال اس مفہوم میں نہیں ہوا۔

شریعت میں تو صرف دو ہی درجے ہیں، ایک چیز باطل ہے یا پھر صحیح ہے۔ جو صحیح ہے وہ باطل نہیں اور جو باطل ہے وہ صحیح نہیں۔ بطلان نکاح کے باوجود حق مہر کی ادائیگی کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے تو یہ نص سے ثابت ہے اس لیے اس پر عمل ضروری ہے اور اس کے برعکس ادائیگی مہر سے بطلان نکاح کی نفی نص شریعت سے صریح انحراف اور نص کے مقابلے میں اپنے قیاس کو ترجیح دینا ہے جو کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

اس کی ایک دوسری مثال ((بیع مصراۃ)) کی ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے دودھ والا جانور اس طریقے سے بیچا کہ ایک یا دو دن دودھ نہیں دوہا، تا کہ خریدار کو یہ باور کرایا جا سکے کہ یہ جانور زیادہ دودھ دینے والا ہے۔ چناں چہ خریدار دھوکے میں اسے خرید لے، لیکن ایک دو مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد اصل حقیقت اس پر واضح ہو جائے کہ جانور تو زیادہ دودھ دینے والا نہیں ہے، بائع نے اس کے تھنوں میں دودھ جمع کر کے اسے دھوکا دیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ خریدار کو حق اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ اس جانور کو واپس کرنا چاہے تو تین دن کے اندر واپس کر سکتا ہے۔ کیوں کہ بیچنے والے نے دھوکے سے کام لیا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ واپسی کی صورت میں ایک صاع غلہ بھی مالک کو ساتھ دینا پڑے گا تا کہ اس دودھ کا عوض ہو جائے جو اس نے جانور سے ایک یا دو دن حاصل کیا ہے۔

بالکل اسی طرح ناجائز طریقے سے نکاح کرنے والے شخص نے اگر عورت سے ہم بستری کر لی ہے، تو چوں کہ اس نے اس سے فائدہ اٹھا

لیا ہے، اس لیے نکاح کے باطل ہونے کے باوجود اسے فائدے کا عوض مہر کی صورت میں ادا کرنا پڑے گا۔

④......بعض کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ولایت نکاح کی احادیث روایت کرتی ہیں، ان کا اپنا عمل ان احادیث کے خلاف ہے۔

لیکن اوّلاً تو محدثین کے ہاں یہ اصول مسلم ہے کہ راوی کا عمل اگر اس کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہوگا تو عمل اس کی بیان کردہ حدیث پر کیا جائے گا، اس کے عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔

ثانیاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے خود اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی لڑکی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا۔

چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی بابت فرماتے ہیں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ نکاح خود انہوں نے کیا تھا، اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ لڑکی بیوہ ہو اور انہوں نے کسی اپنے ہم پلہ کو تلاش کر لیا ہو اور باپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے ولایت ولی ابعد یا سلطان کی طرف منتقل ہوگئی ہو۔ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے ایک بھتیجے کی شادی کی، تو پردے کی اوٹ میں تمام باتیں طے کیں اور جب نکاح کرنے کا مرحلہ آیا تو آپ نے ایک مرد کو نکاح کروانے کا حکم دیا اور فرمایا:

"لَیْسَ إِلَی النِّسَآءِ نِکَاحٌ ۔" [فتح الباری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی]

''عورتوں کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔'' [جاری ہے]



مسائل ودلائل

قسط نمبر: ۳ (آخری)

عدم سماع موتی کے دلائل

قرآن وسنت کی روشنی میں

(مولانا) خاور رشید بٹ

دلیل ثالث:

قبرستان جا کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ کہنے والی روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔ چناں چہ مولانا سرفراز خاں صاحب رقم طراز ہیں۔ ان الفاظ اور اس انداز سے مردوں کو سلام کہنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔ اسی لیے تو آنحضرت ﷺ نے خود بھی مردوں کو سلام کہا اور امت کو اس کی تعلیم بھی دی کہ وہ بھی جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح ان کو سلام کیا کریں۔

[سماع الموتی، ص:۱۵۴]

تجزیہ ①: اس روایت میں محض خطاب کا ثبوت مل رہا ہے لیکن مردوں کا سننا ثابت نہیں ہو رہا۔ کیوں کہ قرآن وحدیث سے واضح ہوتا ہے کہ محض خطاب سے کسی کا سننا لازم نہیں آتا مثلاً:

(الف) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی قوم کے بتوں کے پاس گئے تو فرمایا:

﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ o مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴾

[الصافات ۳۷: ۹۱، ۹۲]

''تم کھاتے کیوں نہیں تمہیں کیا ہوگیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔''

کیا کوئی مسلمان یہ نظریہ رکھتا ہے کہ بت باتیں سنتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ محض خطاب سے کسی کا سننا ثابت نہیں ہوتا۔

(ب) نماز کے تشہد میں ہم یہ دعا مانگتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

اس میں نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے یہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بھی پڑھا جاتا تھا بلکہ دور دراز کے رہنے والے صحابہ بھی پڑھتے تھے۔ لیکن کسی کا عقیدہ سننے کا نہ تھا اگر کوئی منچلا دعویٰ کردے کہ صحابہ اس کے سننے کے قائل تھے تو اسے یہ بات ثابت کرنا پڑے گی جو کہ ناممکن ہے۔ اگر سننا تسلیم کرلیں تو قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا جواب دینا ضروری وفرض ہے۔ [النساء ٤: ٨٦]

کیا بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کی ایک ایک چیز واضح کردی لیکن اس سلام کا جواب ایک مرتبہ بھی نہیں دیا اور نہ ہی بتایا۔

معلوم ہوا محض خطاب سے سننا لازم نہیں آتا۔

(ج) جب کسی کو خط لکھا جاتا ہے تو اس کے شروع میں سلام لکھا جاتا ہے کیا وہ سن رہا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(د) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: مجھے علم ہے کہ تو پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان اگر میں نے رسول اکرم ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا ہرگز تیرا بوسہ نہ لیتا۔

[کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود، رقم:۱۴۹۴]

کیا کوئی مسلمان یقین رکھتا ہے کہ حجر اسود میں سننے کی قوت ہے؟

ان دلائل سے ثابت ہوا محض خطاب سے سننا لازم نہیں آتا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مردے سنتے نہیں تو ان کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب ہے کہ یہ سلام سلامِ دعا ہے، ملاقات کا سلام نہیں۔

اور دعا میں کسی کا سننا ضروری نہیں جیسے ہم تشہد میں سلام پڑھتے ہیں:

السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته
السلام علینا وعلٰی عباد الله الصالحین ۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی سلام کیا جارہا ہے اور یہ سلام تو تشہد میں ساتھ بیٹھنے والا نمازی بھی نہیں سنتا۔ چہ جائیکہ پوری مسجد یا پورے محلّہ اور دنیا کے نیک لوگ سنیں۔ اس کی تائید صحیح مسلم میں موجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کا ترجمہ قائلین سماع موتی کے ایک بزرگ رکن مولانا غلام رسول سعیدی کی زبانی سماعت فرمائیں:

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارا رب تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم جاکر اہل بقیع کے لیے بخشش کی دعا کرو۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں کس طرح دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاکر کہنا:

السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم الله المستقدمین منا والمستأخرین وانا ان شاء اللّٰہ بکم للاحقون ۔

''اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو جو ہم سے پہلے جاچکے ہیں اور جو بعد میں جانے والے ہیں سب پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں۔''

[مترجم صحیح مسلم سعیدی، ج:۲، ص:۷۸۱، ط: فرید بک سٹال لاہور]

شاید پرنٹنگ کی وجہ سے متن اور ترجمہ کے چند الفاظ چھوٹ گئے ہیں کیوں کہ السلام علیکم کا ترجمہ نہیں اور متن میں من المومنین سے ویرحم اللہ تک الفاظ نہیں۔ بہرحال غور فرمائیں نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ کو دعا سکھائی ہے۔ معلوم ہوا یہ سلام بطور دعا ہے اور اس سے سماع موتی کا مسئلہ اخذ کرنا انصاف کے منافی ہے۔

اسی لیے امام طحاوی لکھتے ہیں:

ان المیت لا یخاطب بالسلام لانه لیس اھلا للخطاب ''السلام علیکم یا اھل القبور۔''

میں دراصل میت کو خطاب نہیں ہوتا۔ کیوں کہ میت تو خطاب کی اہل ہی نہیں، آگے فرماتے ہیں:

المقصود منه الدعا لا الخطاب ۔

''اس سے مقصد دعا ہوتی ہے نہ کہ خطاب۔'' [مراقی الفلاح، ص:۳۲۱، بحوالہ قبر پرستی اور سماع موتی از خواجہ قاسم صاحب، ص:۷۹]

② ...... ان کے اصول کے مطابق اس روایت کا متواتر ہونا ثابت کیا جائے پھر عقیدہ ثابت ہوگا۔

③ ......اگر قائلین سماع موتی کا مفہوم تسلیم کرلیا جائے تو وحی الٰہی میں تعارض لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

④ ......اگر مٹی کی اتنی موٹی تہہ کے نیچے مردے کا سلام سننا تسلیم کرلیں تو اس کا زندوں سے ادراک فہم وشعور میں بڑھ جانا لازم آتا ہے۔ کیوں کہ زندہ انسان اتنی موٹی تہہ کے نیچے سن نہیں سکتا۔ اور مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب کا یہ قانون پیش کرنا کہ ادراک وشعور وفہم میں مردے اور زندے برابر ہیں۔ [سماع الموتی، ص:۲۲۱] غلط ٹھہرتا ہے۔

نیز قرآن مجید کی آیت کہ مردے اور زندہ برابر نہیں۔ اس کا بھی ردّ لازم آتا ہے۔ کیوں کہ جب مردے اور زندہ برابر نہیں تو زندوں سے مردے بڑھ کیسے سکتے ہیں؟

دلیل چہارم: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے اسلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ [کتاب الروح، ص:۱۳، الجامع الصغیر، ج:۲، ص:۱۵۱ بحوالہ سماع موتی، ص:۱۹۸، از مولانا سرفراز خاں صفدر]

تجزیہ: ان کے بیان کردہ اصول کے مطابق یہ لوگ عقیدے میں صحیح اخبار احاد کو حجت تسلیم نہیں کرتے اور کہاں ضعیف اور مردود روایت کو بطور دلیل پیش کررہے ہیں۔

مولانا سرفراز صاحب نے اس روایت کو کتاب الروح اور الجامع الصغیر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ الجامع الصغیر میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر، رقم: ۵۲۰۸]

شیخ البانی رحمہ اللہ سند پر گفتگو ہیں، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ والی ایک سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم متروک ہے اور دوسری سند جو اس کی متابعت میں پیش کی جاتی ہے اوّلاً موقوف ہے۔

ثانیاً اس میں انقطاع ہے کیوں کہ زید بن اسلم کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع نہیں۔

ثالثاً محمد بن قدامہ الجوہری ضعیف راوی ہے۔

اس کا شاہد حضرت ابن عباس کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے اس کی سند حافظ ابن عبدالبر نے شرح الموطا (۱/ ۱۴۷/ ۱) میں بیان کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کے استاد ابو عبداللہ عبید بن محمد اور انہیں روایت املاء کروانے والی فاطمہ بنت الریان المخزومی المتملی کو میں نہیں پہچانتا۔ میرے خیال میں ربیع بن سلیمان سے خاتون یہ روایت بیان کرنے میں منفرد کیا بلکہ شاذ ہے۔ اس روایت کی محفوظ سند وہی ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے کیوں کہ ربیع بن سلیمان کا دوسرا شاگرد ابو العباس الاصم جو کہ حافظ اور ثقہ ہے جب اس روایت کو بیان کرتا ہے تو حضرت ابو ہریرہ کا واسطہ بتاتا ہے۔ اور اس سند میں بھی عبدالرحمٰن بن زید ہے جس کا ضعیف ہونا واضح ہو چکا ہے۔ [سلسلۃ الضعیفہ، رقم: ۴۴۹۳]

دلیل پنجم:

امام عقیلی نے حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت ابورزین نے فرمایا: یارسول اللہ میرا راستہ مردوں کے پاس (یعنی قبرستان) سے گزرتا ہے۔ پس کیا میں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی کلام کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ کہو سلام ہو تم پر اے اہل قبور جو مسلمان اور مومن ہو تم ہمارے پیشرو ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ حضرت ابورزین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا وہ سنتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں سنتے ہیں مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابورزین کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ جتنے مردوں کو سلام کہو اتنی ہی تعداد میں فرشتے تمہیں جواب دیں۔

[شرح الصدور، ص: ۸۴، طبع مصر بحوالہ سماع موتی ص: ۲۲۵]

تجزیہ: قائلین کے بیان کردہ اصول کے مطابق اسے متواتر ہونا چاہیے مگر اس کا کیا حال ہے خود مولانا سرفراز خاں صاحب کی زبانی سنیں۔ بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اشعث ہے جو مجہول ہے اور امام عقیلی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے۔ [لسان، ج: ۵، ص: ۸۴] بجا ہے مگر دیگر صحیح روایات اور امت کا تعامل اس سے استدلال کا موید ہے۔ [سماع موتی، ص: ۲۲۶]

ان لوگوں کی بے اصولی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

شیخ البانی رحمہ اللہ السلسلہ الضعیفہ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ منکر ہے۔ کیوں کہ محمد بن اشعث مجہول ہے اور محمد بن بشر کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے کیا ہے۔ لیکن اس کے متعلق جرح و تعدیل کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ [السلسلہ الضعیفہ، رقم: ۱۱۴۷]

دلیل سادس:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت اس وقت تک اذان سنتی رہتی ہے جب تک اس کی قبر کو لیپ نہ کر دیا جائے۔

[تلخیص الحبیر، ص: ۱۳۲، جزء: ۲، طبع المکتبہ الاثریہ شاہ کوٹ]

تجزیہ: یہ روایت مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب کی کتاب سماع الموتی ص: ۲۳۱ پر موجود تھی۔ لیکن بعد میں اسے نکال دیا گیا۔ ان کو یقین ہو گیا ہو گا یہ بطور دلیل پیش کرنے کے قابل نہیں۔ کیوں کہ اولاً اس کی سند کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

واسنادہ باطل اس کی سند باطل ہے کیوں کہ اس کی سند میں محمد بن القاسم طایکانی راوی ہے جس پر حدیث گھڑنے کی تہمت ہے۔

[التلخيص الحبير، ص:١٣٢، ١٣٣]

امام ابن جوزی اس روایت کو الموضوعات، ج:۲،ص:۲۳۸، پر نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے۔ اس کی سند میں حسن کا سماع حضرت عبداللہ بن مسعود سے ثابت نہیں۔ نیز کثیر بن شنظیر کے متعلق یحییٰ کا قول ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں، ابومقاتل کے بارے میں ابن مہدی فرماتے ہیں کہ اس سے روایت لینا حلال نہیں۔

اور محمد بن قاسم پر اس حدیث کو گھڑنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ کیوں کہ اسے جھوٹوں اور من گھڑت باتیں بنانے والوں میں ایک نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث گھڑا کرتا تھا۔

اسی طرح کی ایک اور روایت ہے جسے علامہ طاہر پٹنی نے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات پر نقل کر کے موضوع قرار دیا ہے۔

[ج:۱،ص:۹۲]

یہ روایت بذات خود قائلین سماع موتی کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر قبر کو لیپائی کر دی جائے تو میت کا سننا ختم ہو جاتا ہے اور یہ بات ہرگز انہیں گوارا نہیں۔

دلیل سابع:

ہمارے شیخ اور استاد مفتی مبشر احمد ربانی ﷾ اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں یہ دلیل پیش کر کے اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

سیدنا ابوالدرداء ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ والے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو کیوں کہ یہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جو بھی آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ جہاں کہیں ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔[جلاء الافہام، رقم:۶۲]

مولانا مبشر احمد ربانی ﷾ اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں اس دلیل کا تجزیہ یوں فرماتے ہیں:

﴿ان اللـه وملئكته يصلون على النبى يايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما﴾ [الاحزاب ٣٣:٥٦]

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اس نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہو۔''

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیے لیکن یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ دنیا میں جہاں بھی درود پڑھا جا رہا ہو آپ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے یا آپ اسے سنتے ہیں۔

امام ابن قیم ﷫ نے صلوٰۃ وسلام کے متعلق جو کتاب بنام ''جلاء الافہام'' لکھی اس میں ایک روایت ابودرداء ﷜ سے اس سند کے ساتھ درج کی ہے۔

قال الطبرانی حدثنا يحيى بن ايوب العلاف حدثنا سعيد بن ابى مريم عن خالد بن يزيد عن سعيد بن ابى هلال عن ابى الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلاة على يوم الجمعة فانه يوم مشهود تشهده الملائكة، ليس من عبد يصلى على إلا بلغنى صوته حيث كان ـ قلنا وبعد وفاتك؟ قال: وبعد وفاتى إن الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء ـ

''ابودرداء نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ والے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، یہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نہیں ہے کوئی آدمی جو مجھ پر درود پڑھتا ہو مگر مجھ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔'' ہم نے کہا آپ کی وفات کے بعد بھی تو آپ نے فرمایا: ''میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔''

یہ روایت درست نہیں۔ امام عراقی فرماتے ہیں:

ان اسناده لا يصح ـ [القول البديع فى الصلوة على الحبيب الشفيع، ص:١٥٩]

''بلاشبہ اس کی سند صحیح نہیں۔''

اس کی سند کے صحیح نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

① ...... سعید بن ابی مریم امر خالد بن یزید کے درمیان انقطاع

ہے یعنی سعید بن ابی مریم نے یہ حدیث خالد سے نہیں سنی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن یزید ۱۳۹ھ میں فوت ہوئے۔

[تہذیب التہذیب، ج:۲،ص:۳۴۲]

گویا کہ سعید، خالد کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوا۔لہٰذا یہ روایت صحیح کیسے ہوسکتی ہے؟

④...... دوسری علت یہ ہے کہ سعید بن ابی ہلال اور ابوالدرداء کے درمیان بھی انقطاع ہے۔سعید بن ابی ہلال مصر میں ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔[تہذیب التہذیب:۳۴۲/۲]

جب کہ ابودرداء سیدنا عثمان کی خلافت کے آخر میں فوت ہو چکے تھے۔[تقریب:۵۲]

لہٰذا ۷۰ھ میں پیدا ہونے والے آدمی کی ابودرداء سے ملاقات کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ تو ان کی پیدائش سے پہلے ہی اس دنیائے فانی سے جا چکے تھے۔

امام صلاح الدین العلائی نے لکھا ہے کہ سعید بن ابی ہلال کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مرسل ہے۔[جامع التحصیل:۲۲۴]

اور جابر رضی اللہ عنہ ان کی روایت مرسل ہے تو جابر رضی اللہ عنہ سے پہلے فوت ہو جانے والی صحابی ابوالدرداء سے ان کی روایت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔علاوہ ازیں علامہ سخاوی نے القول البدیع، ص:۱۵۸ میں طبرانی کبیر سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

واخرجه الطبرانی فی الکبیر بلفظ (اکثروا الصلوة یوم الجمعة فانه یوم مشهود نشهده الملئکة لیس من عبد یصلی علی الا بلغتنی صلاته حیث کان۔

[القول البدیع اردو، ص:۲۸۳، مطبوعه ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

"یعنی جلاء الافہام میں اس روایت کے اندر"بلغنی صوتہ" اور القول البدیع میں "بلغتنی صلوتہ" کے الفاظ ہیں۔"

پہلی دلیل کا مطلب مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے اور دوسری کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس کا درود پہنچتا ہے۔

دوسری صورت میں سائل کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے کیوں کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کو درود پہنچا دیا جاتا ہے۔

بہر کیف یہ روایت اسنادی لحاظ سے قابل حجت نہیں۔

[آپ کے مسائل:۱/۱۰۳۔۱۰۶]

آخر میں ان کے پیش کردہ دلائل کے متعلق اسی نظریہ کے حامل بریلوی مکتبہ فکر کے امام مولانا احمد رضا صاحب کی عبارت پیش کر کے بات ختم کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقع یا مشابہ پیش کرتے ہیں، انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور مشابہ واجب الترک ہے۔

[احکام شریعت،ص:۷۹، مصنفہ احمد رضا خاں طبع بک کارنر جہلم]



بصیرت

حلم

شیخ عمر فاروق

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لغوی معنی:

''اَلْحِلْمُ'' کے معنی نفس اور طبیعت پر ایسا ضبط اور کنٹرول رکھنے کے ہیں کہ غیظ وغضب کے موقع پر وہ بھڑک نہ اٹھے۔[مفردات القرآن]

مولانا محمد حفظ الرحمٰن دہلوی لکھتے ہیں:

کظم غیظ (غصہ پینا) کی ''اعلیٰ قسم'' کا نام حلم ہے۔یعنی غیظ وغضب کے جوش اور ایسے اسباب کے پیدا ہونے سے جن سے غضب میں ہیجان پیدا ہوا اُس پر قابو پانے کا نام ''کظم غیظ'' ہے اور یہی صفت جب نفس انسانی میں ''فطرت'' بن جائے اور وہ عادت مستحکم اور مضبوط ہوجائے تو اُس صفت کو ''حلم'' کہا جاتا ہے۔گویا کہ **کظم غیظ** اس فضیلت کی ابتدا کا نام ہے اور حلم اُس ابتدا کی انتہا ہے، یا یوں کہیے کہ جوش غضب کی حالت میں غم وغصہ کو زبردستی دبانا ''**کظم غیظ**'' ہے اور اِس صفت کا فطری اور طبعی بن جانا ''حلم'' ہے۔[اخلاق وفلسفہ اخلاق]

اردو زبان میں اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جب کسی شخص میں متانت اور بردباری پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے جذبات اور خواہشات کو، زبان وبیان اور طیش وغضب کو قابو میں رکھتا ہے اور وہ دوسروں کی غصہ دلانے والی باتوں کو ٹھنڈے دل ودماغ سے سنتا ہے اور اُن کا جواب مٹھاس اور محبت سے دیتا ہے تو وہ حلیم اور بردبار کہلاتا ہے۔

اخلاقی فضائل:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہت سے اخلاقی فضائل سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے جیسا کہ صدق وامانت داری، عدل وانصاف، تواضع وخاکساری، اعتدال ومیانہ روی وغیرہ۔اِسی طرح حلم اور بردباری بھی انہی صفات میں سے بہت خوبی کی بات ہے، اور اِس صفت کا اظہار بتمام وکمال ربّ کریم کی ذات میں ہوتا ہے اور یہ نام اسماء الحسنٰی میں سے ہے۔سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ حلیم ہے:

''حلم کی قدرت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔انتقام لینے کی قدرت کے باوجود وہ اکثر اپنے بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور اسی لیے اُس نے اپنے آپ کو حلم کے ساتھ متصف کیا ہے اور جہاں جہاں اپنی اِس صفت کا اظہار کیا ہے ساتھ ہی اپنے علم اور اپنی بخشش کا بھی ذکر کردیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اُس کا یہ حلم اُس کے علم کے باوجود صرف اُس کی بخشش کا نتیجہ ہے، فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ [البقرة۲: ۲۲۵۔ المائدة۵: ۱۰۱]

''اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ [آلِ عمران۳: ۱۵۵]

''بلاشبہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾

[بنی اسرائیل ۱۷: ٤٤۔ فاطر ۳۵: ٤۱]

''بے شک وہ (اللہ) بخشنے والا بردبار ہے۔''

اِن سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ اپنی صفت مغفرت کا ذکر کردیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اُس کی یہ بردباری نعوذ باللہ کسی ضعف یا عدمِ قدرت کا نتیجہ نہیں بلکہ اُس کی شانِ غفاری کا نتیجہ ہے۔

کئی مقامات پر حلم کے ساتھ اپنی صفت علم کو شامل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾ [النساء٤: ١٢]

''اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾ [حج٢٢: ٥٩]

''بے شک اللہ جاننے والا بردبار ہے۔''

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴾ [احزاب٣٣: ٥١]

''اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔''

اِن آیتوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ انسانوں کی طرح بے جانے بوجھے یا محدود علم کے سبب سے بردباری نہیں کرتا بلکہ پورے علم اور ہر چیز اور ہر نتیجہ سے باخبر ہو کر بردباری فرماتا ہے۔ ایک جگہ اپنی بردباری کے ساتھ اپنی صفت استغنا کا بھی ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴾ [البقرة٢: ٢٦٣]

''اور اللہ مستغنی اور تحمل والا ہے۔''

یہ صدقہ کے موقع کی آیت ہے اس لیے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ مستغنی اور بردبار ہے۔ غنی یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کرنے سے بے نیاز ہے، اِس کا فائدہ تمھیں ہی پہنچتا ہے۔ اس لیے تمہارا کسی پر احسان نہیں۔ کیوں کہ یہ مال بھی اُسی کا عطا کردہ ہے، ''حلیم'' وہ تمہاری خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، تم بھی غربا و مساکین کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ اور اِس بات کو پیش نظر رکھو کہ تمہارا ربّ تمہاری خطاؤں اور غلطیوں سے چشم پوشی فرماتا رہتا ہے۔ اگر تمہارے پاس اُس وقت غربا و مساکین کو دینے کی گنجائش نہ ہو تو انہیں نرمی کے ساتھ سمجھا دو ''اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، پھر کبھی آنا وغیرہ'' اور یہ کلمات اُس صدقہ سے بہتر ہیں، جس کے پیچھے کسی کی دل آزاری ہو۔ [سیرت النبی، ج:٦]

﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴾ [البقرة٢: ٢٦٣]

''نرم بات کہنا اور معاف کردینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔''

حلم کے لیے علم کا حصول ضروری ہے:

ظاہر ہے کسی بات کی اہمیت کا احساس اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے فوائد و ثمرات اور قدر و قیمت کا علم ہو جائے۔ یعنی پہلی بات معرفت ہے، پھر عزم و ارادہ ہے اور اِس کے ساتھ مسلسل مشق کہ نفس کسی بات کو بار بار کرنے سے اُس کا عادی اور خوگر ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ عقل مند کون؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ عامر بن مرہ زہری نے دریافت کیا، سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟

عامر نے کہا جو جاہل کی بیہودہ گوئی کو ''خاموشی'' کے ذریعہ ختم کردے، اُس نے قرآنِ حکیم یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ [الفرقان٢٥: ٦٣]

''اور جب اُن سے جاہل خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تم کو سلام ہے (یعنی ہم تم سے گفتگو کے لیے معافی چاہتے ہیں۔)''

[اخلاق اور فلسفہ اخلاق]

برائی کا بدلہ بھلائی سے:

برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا، یہ وصف اخلاقِ حسنہ کو عادتِ ثانیہ بنا لینے سے وجود میں آتا ہے، قرآن و حدیث میں اس بارے میں خاصی روشنی ملتی ہے۔ ربّ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ [الرعد١٣: ٢٢]

''(ابرار وصالحین) برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نصیحت فرماتے ہیں:

"يَا مُعَاذ! اِتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔" [مسند احمد بن حنبل، ج:٥، ص:٢٢٨]

''اے معاذ برائی کے بعد بھلائی کردو تو تم اُسے مٹا دو گے اور

لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آ ؤ۔''

دعوت وتبلیغ:

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا، انہیں اسلام اور ایمان کی دعوت دینا کارِ عظیم ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [حٰمٓ السجدہ ٤١: ٣٣]

''اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور (اُس نے خود بھی) نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

یہ بڑی ہمت اور مشقت کا کام ہے۔ اس راہ میں لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں سننی پڑتی ہیں اور بسا اوقات جسمانی وروحانی اذیتیں سہنی پڑتی ہیں۔ ربّ کریم نے اِس عظیم کام کو سرانجام دینے میں ایسی زریں نصیحت عطا فرمائی ہے جو داعی الی اللہ کے لیے زادِراہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ [حٰمٓ السجدہ ٤١: ٣٤، ٣٥]

''(اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، آپ بدی کو اُس نیکی سے دفع کیجیے جو بہترین ہو، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر اُن لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بدی کا جواب بدی سے دینے سے دعوت کو نقصان پہنچتا ہے اور بھلائی سے دینے سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ اس آیت میں دعوت الی اللہ کا ایک زرّیں اصول بیان کیا گیا ہے، پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کبھی ایک جیسے نہیں ہوسکتے اور یہ اِس لیے بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ دعوتِ اسلام کو کچلنے کے لیے بدترین ہتھکنڈوں پر اتر آئے تھے۔مسلمانوں کو یہ سمجھایا جارہا ہے کہ بدی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا داعی الی اللہ کو بدی کا جواب کبھی بدی سے نہ دینا چاہیے، بلکہ اُسے برداشت کرنا چاہیے، اُسے کوئی فوری جواب نہ دینا چاہیے۔

اور اس سے اگلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ مخالف کی بدی کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ اس طرح دشمن خود نادم اور شرمندہ ہوگا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے گا کہ میں نے کیا سلوک کیا تھا اور مجھے اس کا جواب کیا مل رہا ہے؟ وہ آپ کے خلوص، خیر خواہی اور راست بازی کا معتقد ہوجائے گا حتی کہ آپ کی مخالفت چھوڑ کر آپ کے ساتھ آ ملے گا اور آپ کا جگری دوست بن جائے گا اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کی دعوت الی اللہ کی منزل کھوٹی نہیں ہوگی بلکہ اس میں مزید پیش رفت ہوجائے گی اور اگر آپ برائی کا جواب برائی سے دیں گے تو پھر اُدھر سے مزید برائی اٹھے گی۔ اس طرح ایک تو مخالفت پہلے سے بھی بڑھ جائے گی، دوسرے تمہارا اصل مقصد فوت ہوجائے گا اور دعوت الی اللہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے گا۔[تیسر القرآن،ج:۴]

قوتِ برداشت:

اسلام نے ظلم اور زیادتی کا بدلہ لینے کی اجازت دی ہے مگر اُسی قدر جس قدر کسی پر ظلم یا زیادتی ہوئی ہے، اور معاف کردینے والے اور صلح کی طرف قدم بڑھانے والے کے لیے اجر عظیم کی نوید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [الشوریٰ ٤٢: ٤٠]

''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ (یاد رکھو) اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

یعنی اگر کوئی برائی اور زیادتی کا بدلہ لینا چاہے تو اتنا ہی لے جتنی اُس پر زیادتی ہوئی ہے اور اگر اُس کے معاف کردینے سے آپس میں صلح

ہوسکتی ہو یا بگڑے ہوئے حالات سنور سکتے ہوں اور حالات کے بہتر ہوجانے کی بنا پر معاف کردے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگا۔

[تیسر القرآن]

حلم وضبط کی عملی تفسیر:

اس آیہ مبارکہ کی عملی تفسیر ہم سیرتِ طیبہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تو قریش مکہ نے آپ ﷺ کو اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا، کبھی معاشرتی مقاطعہ کیا کہ وہ شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہوگئے اور کبھی ظلم وستم کی انتہا پر انہوں نے ملک حبشہ میں جا کر پناہ لی اور بالآخر انہیں مادرِ وطن مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے آپ ﷺ کو سرخرو فرمایا تو آپ اہل مکہ سے گزشتہ زیادتیوں کا انتقام لے سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ضبط وتحمل، نرم خوئی اور نرم دلی خاکساری اور فروتنی، عاجزی وخاکساری ایسی صفات سے نوازا تھا۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ﴾ [آل عمران ۳: ۱۵۹]

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں۔''

آپ ﷺ نے مشرکین مکہ میں خاص طور پر قریش کی طرف خطاب کرتے ہوئے پوچھا:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَا تَرَوْنَ اَنِّىْ فَاعِلٌ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا خَيْرًا، اَخٌ كَرِيْمٌ، وَابْنُ أَخٍ كَرِيْمٍ، قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔"

''اے گروہِ قریش! تم لوگوں کا پھر میرے بارے میں کیا خیال ہے، میں تم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں، (قریش) کہنے لگے خیریت کا، کہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادر زادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (اللہ اکبر!)''

[سیرت النبی، شبلی نعمانی، ج:۱]

پھر غور کیجیے طائف میں رسول اللہ ﷺ وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے کہ جسم اقدس لہو سے تر بہ تر ہوگیا۔ پھر بھی یہی فرمایا کہ میں اِن لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ کیوں کہ یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہوجائے گی۔ [رحمۃ للعالمین، قاضی سلمان منصور پوری]

اہل طائف کی قسمت کو پلٹتے پھر تاریخ نے دیکھا آپ ﷺ کی حلم اور بردباری اور لوگوں کے ناروا سلوک کے مقابلے میں اُن کے لیے ہدایت ومغفرت کی دعا کرنا رنگ لایا اور یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

آپ ﷺ کے عزم واستقامت اور حلم وبردباری کے متعدد واقعات ہیں، اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآنِ حکیم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾

[الشوریٰ ۴۲: ۴۳]

''جو شخص صبر سے کام لے اور (لوگوں سے) درگزر کرے یقیناً یہ بڑی اولوالعزمی کے اعمال میں سے ہے۔''

اور اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خاص طور سے نصیحت کی گئی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ [الاحقاف ۴۶: ۳۵]

''(پس اے نبی ﷺ) صبر کیجیے جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور اُن کے معاملے میں جلدی نہ کیجیے۔''

اولوا العزم انبیاء کون کون سے ہیں؟ ویسے تو سب انبیاء ہی اولوا العزم ہوتے ہیں تاہم عرف عام میں پانچ ہیں: سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ یا تو کفارِ مکہ ایمان لے آئیں یا پھر اللہ اُن پر عذاب نازل کردے جس کا یہ ہر وقت مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھ لو اولوا العزم انبیاء نے کتنی مدت اپنے

مخالفوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کو بھی اس معاملے میں جلدی نہ کرنا چاہیے اور صبر و برداشت سے کام لینا چاہیے۔

[تیسیر القرآن]

صبر پر ربّ کریم نے لازوال اجر رکھا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

[الزمر ۳۹: ۱۰]

''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر (یومِ جزا و سزا) بے حساب دیا جائے گا۔''

اور کہیں لوگوں سے درگزر کرنے والوں کو محسنین کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے:

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [آلِ عمران ۳: ۱۳۴]

''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں (یہ محسنین میں شامل ہیں۔)''

اِن احادیث مبارکہ پر بھی غور کرتے جایئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ ۔"

یعنی ''پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے (حقیقت میں) پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

غور کیجیے! غصہ بہت سی ندامتوں اور حسرتوں، مایوسیوں اور ناکامیوں کا ذریعہ بنتا ہے، اس پر ضبط اور کنٹرول کرنا بہت سی راحتوں اور امیدوں، مسرتوں اور شادمانیوں کو لاتا ہے اور جب مسلسل اور پیہم غصہ پر کنٹرول کرنے کی عادت بن جائے تو وہ عادت حلم میں ڈھل جاتی ہے۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَغْضَبْ'' غصہ نہ کیا کرو۔ اُس شخص نے کئی بار (مزید نصیحت کے لیے) درخواست کی تو آپ ﷺ نے (ہر بار یہی) فرمایا ''غصہ نہ کیا کرو۔''

طبیبِ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کے چہرے مہرے سے اندازہ لگایا ہوگا کہ اِس میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر سخت مزاجی سے یہ بڑے خسارے میں ہے اور اگر یہ اپنے غصے پر ضبط کرے تو یقیناً یہ شخص کندن (سونا) بن جائے گا۔ چناں چہ بار بار اُسے ایک ہی بات کی نصیحت فرمائی۔

آخر میں رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کو حرزِ جاں بنایئے:

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِىْ بِالْعِلْمِ وَزَيِّنِّىْ بِالْحِلْمِ وَاَكْرِمْنِىْ بِالتَّقْوٰى وَجَمِّلْنِىْ بِالْعَافِيَةِ ۔ [اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی]

''اے اللہ! مجھے علم سے مالا مال فرما دیجئے۔ حلم (بردباری) سے زینت دیجئے، تقویٰ سے سرفرازی عطا کیجیے اور عافیت (صحت) سے آراستہ فرمایئے۔''



نقطۂ نظر

وطن کی سلامتی اور سیکولر نظام کے سدباب کے لیے
ملکی یک جہتی کونسل کو منظّم کرنے کی ضرورت

عطا محمد جنجوعہ

نیٹو افواج افغانستان اور عراق پر قابض ہیں لیکن طویل عرصہ گزرنے کے باوجود وہ مقامی مزاحمت کو ختم نہیں کر سکیں۔ چناں چہ امریکا بادل نخواستہ ایک طرف طالبان سے امن مذاکرات کرنے پر مجبور ہو رہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی سازش پر عمل پیرا بھی ہے۔

مصر، ترکی اور پاکستان کی تاریخ شاہد ہے کہ صہیونی چیلے مذہبی وسیاسی جماعتوں میں گھس کر اہم نوعیت کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے، معروف لیڈروں کا دست وبازو بن کر اشتعال انگیز بیان دلواتے، مظاہروں اور لانگ مارچ کے ذریعے لبرل حکومتیں تبدیل کراتے اور پھر فوجی آمر مسلط کر دیتے ہیں۔ مزید برآں شرپسند مجرموں کو ڈالر تھما کر سنگین نوعیت کے اقدام کراتے ہیں جب تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو جاتا ہے تو حکومت کو مجبوراً فوجی آپریشن کرنا پڑ جاتا ہے۔ صہیونی تنظیم کی اس طرح کی گھناؤنی وارداتوں سے عوام اور فوج میں نفرت کی خلیج میں اضافہ ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

سوات کے روحانی راہنما صوفی محمد کا تجزیہ تھا کہ الیکشن کے ذریعے قرآن وسنت کا نفاذ ناممکن ہے اس لیے وہ معاشرہ اور حکومتی معاملات میں پرامن تحریک کے ذریعے شریعت محمدی کے نفاذ کے داعی تھے۔ اس وجہ سے علاقے میں اُن کو عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ امریکیوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو صوفی محمد نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ طالبان کے منع کرنے کے باوجود وہ ہزاروں ساتھیوں سمیت افغانستان گئے۔ خود گرفتار ہو گئے کچھ ساتھی بمباری میں شہید ہو گئے۔ باقی ماندہ جیل کی صعوبتیں جھیل کر وطن واپس آئے۔

صوفی محمد نے رہائی پانے کے بعد سوات میں شرعی نظام عدل کی بحالی کی تحریک کو متحرک کیا۔ عوام نے پرامن تحریک کا ساتھ دیا۔ لیکن شرپسند عناصر نے لڑکیوں کے سکولوں کو دھماکہ سے اڑا دیا، سرکاری رہائش گاہوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ حکومتی اہل کاروں کو اغوا کیا۔ جب یہ تصادم شدت اختیار کر گیا تو حکومت سرحد اور تحریک نفاذ شریعت کے مابین نظام عدل معاہدہ طے پایا جسے پارلیمنٹ نے منظور کیا اور صدر نے دستخط کر دیئے۔ اہل سوات میں مسرت کی لہر دوڑ گئی عوام میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں جب کہ مغربی میڈیا نے معاہدہ کے خلاف واویلا مچایا۔ اس دوران شرپسندوں نے آناً فاناً بونیر اور دیر پر قبضہ کر لیا۔ حکومتی رٹ کو چیلنج کر دیا مزید برآں بزرگ رحمان بابا کی قبر کی بے حرمتی کی گئی۔

شریعت کے نفاذ میں بلاشبہ صوفی مخلص اور ان کی تحریک پرامن تھی۔ تاہم منگورہ ہزاروں کے مجمع میں انھوں نے جو خطاب کیا کہ جمہوریت کفر ہے۔ سپریم وہائی کورٹس غیر شرعی ہیں۔ جج، وکیل اور جمہوری علماء آئین کے باغی ہیں۔ میڈیا نے صوفی کے اس خطاب کو خوب کوریج دی تو عوام میں چہ مہ گوئیاں شروع ہو گئیں۔ البتہ یہ قابل غور پہلو ہے۔ جمہوری نظام سے متعلق اُن کا بیان کس قدر حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں اس بحث سے قطع نظر اس نازک موقع پر اُن کا فرض منصبی تھا کہ نظامِ عدل معاہدہ میں حائل رکاوٹوں کا سدباب کرنے اور وادی سوات میں شرعی عدل کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے تاکہ اس کے مثبت اثرات پاکستان کے دوسرے علاقوں میں ظاہر ہوتے۔

چوں کہ پاکستان جمہوری نظام کی بدولت معرض وجود میں آیا۔ آمرانہ نظام کی نسبت جمہوری نظام میں آزادی رائے کو اہم حیثیت حاصل ہے۔ آئین پاکستان میں درج ہے کہ کوئی قانون کتاب وسنت

کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔ انہی وجوہات کی بنا پر اکثر علماء دانش ور جمہوری نظام کے شیدائی ہیں اور وہ انتخابی عمل میں شریک ہو کر آئینی طریقہ سے شرعی نظام کے لیے کوشاں ہیں۔ مزید برآں اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک اپنی ریاستوں میں جمہوری نظام نافذ کرنے کے پابند ہیں۔

مذکورہ حالات میں صوفی محمد کا جمہوریت پر کفر کا فتویٰ لگانا سراسر غیر دانش مندانہ فعل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے اعتدال پسند طبقہ میں بھی صوفی محمد کی مقبولیت کا گراف گر گیا۔ حکومت اسی موقع کے انتظار میں تھی اور شرپسندوں کے خلاف فوجی آپریشن شروع ہوا تو اکثر کالم نگار، سیاسی لیڈر اور جمہوری علماء نے اعلانیہ طور پر آپریشن کی مخالفت نہیں کی۔ کسی سول سوسائٹی یا جماعت نے آپریشن کے ردّعمل میں مظاہرہ نہیں کیا کیوں؟

عراق پر امریکی حملہ سے قبل اکثر ممالک میں مظاہرے ہوئے لاکھوں افراد نے لانگ مارچ میں شمولیت کی لیکن امریکی حملوں کے دوران کسی ملک میں امریکا کے خلاف قابلِ ذکر جلوس نہیں نکلا۔ چوں کہ پاکستان میں عدلیہ کی آزادی اور چوہدری افتخار کی بحالی کے لیے طویل المیعاد جلوس نکلتے رہے عوام نے مظاہروں اور لانگ مارچ میں بھرپور شرکت کر کے دل کی بھڑاس نکال لی یہی وجہ ہے سوات آپریشن بند کرنے کے لیے کسی تنظیم یا سوسائٹی نے مظاہروں کا اہتمام نہیں کیا اگر کسی نے کیا ہے تو اُسے پذیرائی نہیں مل سکی۔ تحریک نظامِ مصطفےٰ کے تیس سال بعد عدلیہ کی آزادی کی تحریک نمودار ہوئی لہٰذا عوام کا مستقبل قریب میں دوبارہ سڑکوں پر نکلنا مشکل اور پیچیدہ امر ہے۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں دینی جماعتوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ آستین میں چھپے ہوئے منافقوں کو پہچانیں۔ کسی کے اکسانے پر انتہائی سنگین قدم نہ اٹھائیں بے محل بیان بازی سے گریز کریں۔ اور جماعت کے دیرینہ مخلص ساتھیوں کے مشورہ سے تحریکی لائحہ عمل اختیار کریں۔

اسلام میں میت کو تکلیف پہنچانا، اُن کی بے حرمتی کرنا اسی طرح گناہ ہے جس طرح زندہ کو۔ اس لیے کسی مسلم تنظیم پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ صہیونی ایجنسی نے ماضی میں شیعہ سنی فساد بھڑکانے میں گھناؤنا کردار ادا کیا۔ بزرگوں کی قبر کی بے حرمتی بھی یقیناً انہی کی کارستانی ہے تاکہ بریلوی دیوبندی تصادم کا فتنہ جنم لے۔ اور بریلوی مکتبہ فکر کے مشائخ کرام جو روحانی تعلیم وتزکیہ میں مگن ہیں وہ اپنے فرضِ منصبی سے غافل ہو کر مذہبی تصادم میں الجھ جائیں تاکہ دوسری جماعتوں کی طرح اپنے قیمتی راہ نماؤں اور بے لوث کارکنوں کی صلاحیتوں سے محروم ہو جائیں۔ چناں چہ جمعیت علماء پاکستان کے قائدین سے توقع ہے کہ جس طرح انہوں نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا اسی طرح وطنِ عزیز کی یک جہتی وسلامتی اور طاغوتی فوجوں کے انخلا میں قائدانہ کردار ادا کریں گے۔

افغانستان اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں امریکی جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں اسلام کے خلاف صہیونی جنگ ہے۔ صہیونی تھنک ٹینک قطعاً نہیں چاہتے کہ دنیا کے کسی علاقہ میں خالق کائنات کے قوانین کا نفاذ ہو۔ صہیونی سیکولر نظام کے داعی ہیں۔ سیکولر نظریہ کیا ہے؟

’’اگر کوئی خدا کو ماننا چاہتا ہے تو اپنی پرائیویٹ زندگی میں مان لے لیکن اُس خدا کو یہ حق نہیں کہ وہ معاشرے اور ریاست کے اجتماعی امور میں مداخلت کرے۔‘‘

صہیونی مفکرین نے یورپ اور امریکا کو سیکولر نظام میں ڈھال دیا۔ یورپی اقوام نے نوآبادیاتی دور میں مسلم دنیا میں رائج شرعی عدالتی معاشی معاشرتی اور تعلیمی نظام درہم برہم کر دیا۔ دینی مدارس کو بند کر دیا اور عدالتوں میں عوامی قانون نافذ کیا۔ پرائیویٹ زندگی میں عیسائی مذہب کے فروغ کے لیے عیسائی مشنریوں کی سرپرستی کی۔ صلیبی افواج افغانستان اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر قابض نہ ہو سکیں اس لیے یہ علاقہ صہیونی پیکج میں نہ ڈھل سکا۔

طالبان نے افغانستان پر قابض ہو کر شرعی قانون نافذ کیا تو صہیونی ورلڈ آرڈر کو دھچکا لگا۔ جنہوں نے نائن الیون کا ڈرامہ رچا کر طالبان کے شرعی نظام کا خاتمہ کر دیا۔ نام نہاد دہشت گردی کے خاتمہ کی آڑ میں وانا، وزیرستان، باجوڑ میں امریکی حکومت کے ایما پر پاک فوج نے آپریشن کیا۔ آج کل سوات میں فوجی آپریشن جاری ہے۔

امریکا، بھارت اور اسرائیل میں خواہ کسی داخلی پالیسی کے ردّعمل میں دہشت گردی کی واردات ہو تو وہ آناً فاناً کسی مسلم تنظیم پر الزام عائد کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پاک فوج کے مقابلے میں مارے جانے والے کی میتوں سے ہندو ہونے کا ثبوت مل جائے، اور ان سے پکڑے جانے والا اسلحہ امریکی ساخت کا ہو اس کے باوجود حکومت پاکستان میڈیا پر اس کا اظہار کرنے سے ڈرتی ہے۔ مسلم دنیا کے بارے امریکی حکومت کا رویہ منافقانہ رہا ہے۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے ساتھ بدستور رابطہ رکھتا ہے۔ مثلاً طالبان کو شکست دینے کے لیے شمالی اتحاد کو ساتھ ملایا۔ اسی طرح سوات میں مجرم پیشہ ایجنٹوں کو تخریبی کارروائیوں پر اکساتا ہے۔ دوسری طرف حکومت کو ڈالر دے کر آپریشن پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اگر یہ پاکستان کی سلامتی کی جنگ ہے تو پھر امریکا و یورپ سے ڈالروں کی بھیک کیوں مانگی جاتی ہے؟ شدت پسندوں کو پکڑ کر امریکا کے حوالے کیوں کیا گیا؟

امریکی فوج عراق اور افغانستان میں مزاحمت کاروں سے لڑ رہی ہے۔ لیکن پاکستان میں پاک فوج یہ خدمت سرانجام دے رہی ہے۔ درحقیقت امریکا نے پاکستان میں قبائلیوں اور فوج کو الجھا دیا ہے تاکہ حکومت پاکستان اور قبائلی مسلمان پہلے کی طرح افغان مجاہدین کی عملی حمایت نہ کر سکیں۔

وادی سوات کا سرسبز وشاداب پہاڑی علاقہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے سیاحوں کی آمد ورفت کا مرکز تھا۔ اہل سوات مہمانوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آتے تھے۔ معاشرہ میں عورتوں کو عزت ومقام حاصل تھا لیکن آزادنہ نقل وحرکت کا رواج نہ تھا۔ سوات امن وامان اور خوشحالی کے لحاظ سے بے نظیر خطہ تھا۔ شرعی نظام کی وجہ سے شہریوں کی عزت، جان اور مال محفوظ تھا۔ صحافی حنیف خالد نے سرحد کی معروف شخصیت کے حوالے سے یہ وضاحت کی ہے۔

ریاست سوات ایوبی دور میں خودمختار ریاست تھی۔ ایوب خان نے امب چترال دیر کی ریاستوں کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرا لیا تھا۔ یحییٰ خان دور میں ۷۰-۱۹۶۹ء میں والی سوات گل جہاں زیب نے آخری ریاست سوات کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا۔ الحاق معاہدہ میں درج تھا کہ صوبوں سے ریاست سوات میں قرآن وسنت کا جو شرعی نظام نافذ چلا آ رہا ہے وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے باوجود ریاست سوات میں مسلسل نافذ رکھا جائے گا۔ سلیم سیف اللہ خان جو پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی راہ نما اور سابق وفاقی وزیر انور سیف اللہ خان کے بھائی ہیں، کے مطابق پاکستان کے ساتھ الحاق تک سوات میں جرائم نہ ہونے کے برابر تھے۔

قتل کی واردات تو ڈھونڈے سے بھی نہ ملتی تھی۔ صدیوں سے غیر منقسم ہندوستان اور دوسرے ممالک کے سیاح سوات آیا جایا کرتے تھے۔ سوات میں ہر ایک کی جان ومال محفوظ تھی۔ سوات کے والی انکم ٹیکس کی بجائے اسلامی نظام کے مطابق سالانہ اڑھائی فی صد زکوٰۃ اور باغات کی پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) وصول کرتے تھے۔ اس آمدن سے ریاست سوات میں سڑکیں، مل اور دوسری مقامی ضروریات کا انفراسٹرکچر بنایا جاتا تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔ والی ریاست سوات کے دور میں نہ صرف لڑکوں کے بلکہ لڑکیوں کے سکول بطریق احسن کام کیا کرتے تھے۔ کوئی انتہا پسند دہشت گرد نہیں تھا مگر آہستہ آہستہ انگریز کا قانون نافذ ہونے سے جب وہاں کے لوگوں کو پاکستان کے باقی حصوں کی طرح انصاف ملنا مشکل ہو گیا تو ناانصافی کے شکار سوات کے لوگوں نے قانون ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ سلیم سیف اللہ خان نے سوات معاہدے پر حکومت پاکستان کے عہدیداروں، تحریک نفاذ شریعت محمدی کے لیڈروں کو مبارک باد دی اور توقع ظاہر کی کہ والی ریاست کے دور کا حقیقی اسلامی وشرعی نظام افہام وتفہیم کے ساتھ دوبارہ سوات میں رائج کر دیا جائے گا۔

[روزنامہ ''جنگ'' لاہور، سیاسی ایڈیشن ۲۰۰۹-۰۲-۱۹]

جامعہ حفصہ میں زلزلہ متاثرین شمالی علاقہ جات کی طالبات زیر تعلیم تھیں۔ صہیونی ایجنٹوں نے اوّل مسجد کی انتظامیہ کو سبز باغ دکھا کر عملی

کارروائی پر اکسایا۔ مشرف حکومت نے جس کو جواز بنا کر چار ہزار سے زیادہ طالبات کو فاسفورس بموں سے جلا کر بھسم کر دیا۔ اسی طرح صہیونی چیلوں نے سوات کے چند مجرم پیشہ افراد کو ساتھ ملا کر حکومتی رٹ کو چیلنج کر دیا۔ تحریک کے حامیوں اور مخالفوں کی صفوں میں گھسے ہوئے چیلوں نے معاہدہ کو سبوتاژ کر دیا۔ حکومت نے گرینڈ آپریشن کا اعلان کر کے شہریوں کو ترک سکونت پر مجبور کر دیا۔ سوات، دیر اور بونیر سے ۲۵ سے ۳۰ لاکھ کے درمیان لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ وہ ہنستے بستے گھروں، لہلہاتی فصلوں، پکی فصلوں اور سرسبز پہاڑوں کو چھوڑ کر مردان، پشاور اور نوشہرہ کیمپوں میں قیام پذیر ہیں۔ جنہوں نے زندگی بھر گرم ہوا کا جھونکا نہیں دیکھا تھا اب وہ گرم لو کے تھپیڑوں کی زد میں ہیں۔ وہ تپتی سڑکوں پر رہ رہے ہیں۔ لاکھوں روپوں میں باغ نیلام کرنے والے لائن میں کھڑے ابلے چاولوں کے لیے دھکے کھا رہے ہیں۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں مذہبی ولسانی بنیاد پر آزادی کی تحریکیں سرگرم عمل ہیں۔ عسکریت پسند طبقہ نے حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیاں کیں انھوں نے پولیس سٹیشنوں، ایئر پورٹ اور فوجی چھاؤنیوں پر فدائی حملے کیے۔ بارہا ایسا ہوا کہ وہ کہرام مچا کہ زندہ بچ نکلنے میں کامیاب اور مقامی آبادی میں روپوش ہو گئے۔

اس دوران یہ تو ضرور ہوا کہ پولیس نے مشکوک مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حریت پسندوں کے ساتھ گھر کے مکین بھی ہلاک ہو گئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کہ فضائیہ نے فدائین کے تعاقب میں مشکوک گاؤں یا شہر پر فضائی بمباری کی ہو یا فوج نے چند شر پسندوں کو گرفتار یا سزا دینے کی خاطر لاکھوں لوگوں کو انخلا کا الٹی میٹم دیا ہو۔ مؤرخین کے نزدیک اپنے ہی وطن میں کثیر آبادی کا انخلا تاریخ کا انوکھا واقعہ ہے۔ حریف ممالک ایک دوسرے کی سرحدوں میں جاسوس بھیج کر حساس اداروں کی حرکات وسکنات اور معلومات تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ خفیہ نمائندے اپنے ملک میں بغیر اجازت لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے والوں کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے خفیہ ادارے سوات میں دہشت گردی میں ملوث افراد کا ابتداء میں ہی تعاقب کر سکتے تھے اور اُن کو عبرت ناک سزا دی جا سکتی تھی تاکہ وطن میں خانہ جنگی اور کثیر آبادی کو گھروں سے بے دخل کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

اہل سوات کا قصور کیا ہے؟ انھوں نے سیکولر نظام کو ٹھکرا کر شرعی نظام عدل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ امر بالمعروف کی دعوت دینے کے لیے تبلیغی جماعت میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ باہمی تنازعات کے فیصلوں کے لیے قاضیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی عورتوں کو الیکشن میں حصہ لینے پر قدغن لگا رکھی ہے حتی کہ بعض مقامات پر وہ ووٹ کا حق استعمال کرنے سے محروم ہیں۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات کو اس جرم کی سزا دی جا رہی ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد نے برطانوی فوج کو ہلاک کیا۔ روسی فوج سے مقابلے کے لیے افغانیوں سے تعاون کیا۔ پاک فوج سے مل کر مظفر آباد کشمیر کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا تو قبائلی عوام امریکا کے خلاف جہاد کرنے کے لیے افغانستان کیوں گئے۔ سوات، فاٹا کے یہ وہ ناقابل معافی جرائم ہیں جن کی بنا پر صہیونی چیلے پے در پے بمباری کر کے اُن کو نقل مکانی پر مجبور کر رہے ہیں۔

قومی ومذہبی حمیت کی حامل آبادی کو سیکولر نظام میں تبدیل کرنا مقصود ہو تو صہیونی تھنک ٹینک بہانہ تراش کر اس علاقہ پر بمباری کراتے ہیں۔ جس سے نجی وسرکاری عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔ اس ریاست کا سیاسی، معاشی، معاشرتی وتعلیمی نظام درہم برہم کر دیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی ذیلی این جی اوز متحرک ہو جاتی ہیں جو ان کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سیکولر ماحول میں اُن کی برین واشنگ کرتی ہیں۔

باجوڑ، سوات کے بعد وزیرستان ودیگر علاقوں سے آبادی کے انخلا کا عمل جاری ہے۔ کیمپوں میں محصور یہ لوگ کب گھروں میں واپس جائیں گے؟

اہل مغرب نے عربوں کے سینہ میں اسرائیل کا تیر پیوست کیا اسی طرح امریکا پاکستان کے بلند تر علاقہ گلگت، سکردو بلتستان میں اسمٰعیلیہ اسٹیٹ قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ وسطی وجنوبی ایشیا کے ممالک اس کے مطیع

رہیں۔ اس لیے وہ نئی ریاست کو درپیش ممکنہ مزاحمت کے سد باب کے لیے گرد و نواح کے علاقوں کو غیر مسلح کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ رائفل کی بجائے گیند بلا کھیل کر اپنا شوق پورا کریں۔ عورتیں شرم وحیا کا لبادہ اتار کر غیر محرم مردوں کے دوش بدوش نجی و سرکاری اداروں میں کام کرنے میں عار محسوس نہ کریں۔ شرعی حدود و تعزیرات کو فرسودہ اور وحشیانہ کہہ کر نفرت کا اظہار کریں البتہ وہ معاشرہ ریاست کا انتظام چلانے کی خاطر عوامی قانون کے نفاذ کے لیے سڑکوں پر مظاہرہ کریں۔

نئی نسل مخلوط تعلیمی ماحول میں رہ کر علم حاصل کرے۔ یونیورسٹی کی تقریبات میں طلبا و طالبات بانہوں میں بانہیں ڈال کر رقص کریں۔

مغربی پاکستان کے گورنر ملک محمد امیر خان آف کالا باغ نے دور اقتدار میں وہ سرکاری تقریبات میں اپنی خواتین کو نہیں لے گیا لیکن آج اس خاندان کی عورتیں در در ووٹوں کی بھیک مانگ کر اسمبلی میں مردوں کے روبرو بیٹھنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ اسی طرح سوات وفاٹا کی عورتیں دفاتر اور اداروں میں کام کرنے میں عار محسوس نہ کریں۔ بلکہ پارلیمنٹ میں جا کر اپنے حقوق کی بحالی کے لیے آواز بلند کریں۔ حتیٰ کہ یہاں کے لوگ اس حد تک سیکولر ماحول میں ڈھل جائیں کہ معاشرہ میں سر عام کوئی شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، نیم عریاں لباس پہن کر چہل قدمی کرتا اور ماہِ رمضان کی بے حرمتی کرتا ہے، تو انہیں کوئی روکنے والا نہ ہو اگر کوئی روکے تو وہ قانوناً جرم ہو۔ اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اسے دعوت دینا بھی جرم بن جائے۔

جب تک اس علاقہ کے لوگ غیر مسلح ہو کر سیکولر نظام نہیں اپنائیں گے اس وقت تک ڈومور کی بانسری بجتی رہے گی۔ اور نقل مکانی کرنے والوں کی بحالی کی رفتار سست رہے گی۔

مسلم دنیا پاکستان کو اسلام کا قلعہ تصور کرتی ہے۔ لیکن طاغوتی قوتیں اس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہیں۔ پاک بھارت جنگوں میں قومی و عوامی سطح پر اتنا مالی و جانی نقصان نہیں ہوا جتنا پاک فوج اور قبائلی تصادم میں ہو رہا ہے۔ ملی یک جہتی کونسل نے شیعہ سنی تصادم کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ چناں چہ وطن عزیز میں امن و امان کی بحالی اور اتحاد و یک جہتی کی فضا ساز گار کرنے کے لیے ملی یک جہتی کونسل کو منظم و فعال کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

سوات و دیگر قبائلی علاقوں کے متاثرین کی امداد کے لیے تمام دینی جماعتیں ملی یک جہتی کونسل کے پلیٹ فارم کے لیے تعاون کریں۔ اور نقل مکانی کرنے والوں کی گھروں میں بحالی کو جلد از جلد ممکن بنائیں۔

پاک فوج اور قبائلی عوام میں تصادم کو بھڑکانے والے شر پسندوں کے سد باب کا لائحہ عمل وضع کیا جائے اور خانہ جنگی کو بند کرنے میں فعال کردار ادا کیا جائے۔ پاکستان میں ہر نئی حکومت پہلے کی نسبت امریکا کی وفادار بن کر آ رہی ہے۔ اس لیے حکومت ہٹاؤ احتجاجی تحریک چلانے سے گریز کریں، بلکہ زمینی حقائق اور دلائل کی روشنی میں حکومت کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں۔ ملی یک جہتی کونسل باہمی صلاح مشورہ کے بعد ایسا لائحہ عمل اختیار کرے کہ امریکی فوج کا انخلا جلد ممکن ہو اور پاکستان کی داخلہ و خارجہ پالیسی پر وائٹ ہاؤس کا اثر و رسوخ ختم ہو جائے۔ اللہ کو راضی کرنے کے لیے استغفار کو شعار بنائیں اور اصلاح معاشرہ پر توانائیاں صرف کر دیں۔



یادِ رفتگاں

داعی توحید مولانا مفتی اللہ بخش ملتانی رحمہ اللہ بن محمد مراد

حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

ابتدائی حالات:

مفتی اللہ بخش رحمہ اللہ ۱۹۳۲ء (شناختی کارڈ کے مطابق) میں تحصیل جلال پور پیروالا کے قریب موضع موتھا میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ گیارہ دن کے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ کی وفات کے بعد پرورش آپ کی بہن نے کی۔

مفتی صاحب کے والد محترم محمد مراد نے تین شادیاں کر رکھی تھیں۔ آپ دوسری والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پہلی والدہ سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام غلام محمد، غلام رسول اور غلام حسین تھے۔ اور دوسری والدہ سے رحیم بخش، مولا بخش، قادر بخش اور مفتی اللہ بخش تھے، اور دو بہنیں تھیں اور تیسری والدہ سے محمد یار اور محمد شریف تھے۔

مفتی صاحب کے والد گرامی محمد مراد کا پیشہ زراعت تھا اور وہ گلہ بانی بھی کرتے تھے۔ محمد مراد بہت سادہ انسان تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد شروع ہی سے عقیدۂ توحید کے قائل تھے اور شرکیہ عقائد سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔

تعلیم وتعلم کی طرف رغبت:

مفتی صاحب کے بڑے بھائی مولانا غلام رسول رحمہ اللہ خاندان میں پہلے عالم دین تھے۔ ان سے پہلے خاندان میں کوئی بھی عالم نہ تھا بلکہ سب کے سب زراعت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ مولانا غلام رسول رحمہ اللہ مفتی صاحب کی تعلیم کا ذریعہ بنے۔ ہوا یوں کہ مولانا غلام رسول رحمہ اللہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد (تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں) گھر اطلاع دیئے بغیر تعلیم کے حصول کے لیے گھر سے چلے گئے۔ اور پورے تیس سال تک گھر سے باہر رہے کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ جب آپ گھر سے گئے اس وقت آپ کے والد کی رہائش تحصیل کبیر والا کے قریب موضع غوث پورہ ٹھیماں والا میں تھی۔ ان کے گھر سے جانے کے بعد آپ کے والد نے موضع غوث پورہ کو خیر باد کہہ کر موضع موتھا جلال پور پیروالا کی طرف رخت سفر باندھا اور وہاں زمینیں خرید کر زراعت شروع کردی۔

۳۰ سال کے بعد مولانا غلام رسول رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر جب واپس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کے والد گرامی کافی عرصہ سے اس جگہ کو چھوڑ کر جلال پور چلے گئے ہیں۔ آپ نے موضع غوث پورہ میں ایک مدرسہ کا اجراء کیا۔ جس میں کافی تعداد میں طلبا زیر تعلیم تھے۔ اسی اثناء میں کافی تلاش کے بعد آپ اپنے والد کو جلال پور موضع موتھا میں پا لیتے ہیں۔ چناں چہ انھیں ملنے جلال پور تشریف لاتے ہیں انھی تعلیم کی ساری روداد بیان کرتے ہیں۔ واپسی پر اپنے والد محترم سے عرض کرتے ہیں کہ میرے ساتھ دو بھائیوں کو بھیج دیں تاکہ یہ تعلیم حاصل کرلیں۔

چناں چہ مفتی صاحب اپنے بھائی کے ساتھ موضع غوث پورہ تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال آ جاتے ہیں۔ اور یہاں پر ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ابتدائی دینی تعلیم کے بعد عصری تعلیم کے حصول کے لیے مفتی صاحب کو اسلامیہ ہائی سکول اڈا سپیل ضلع خانیوال داخل کروادیا گیا۔

پرائمری تک تعلیم آپ نے اسلامیہ ہائی سکول میں مکمل کی۔ اسی اثناء میں آپ کے بھائی مولانا غلام رسول فاضل دارالعلوم دیوبند فوت ہوگئے۔ بھائی کی وفات کا مفتی صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے عصری تعلیم ترک کردی اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔

مولانا غلام رسول رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کے جانشین مولانا دوست محمد بن گئے تھے جو کہ مولانا غلام رسول اللہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے۔ مفتی صاحب دوبارہ موضع غوث پورہ تشریف لائے اور مولانا دوست محمد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور اکثر تعلیم ان سے حاصل کی۔ بعدازاں معروف عالم دین مولانا غلام اللہ کے مدرسہ جامعہ تعلیم القرآن پنڈی تشریف لے گئے اور مولانا غلام اللہ صاحب سے دورۂ تفسیر کیا اور دورۂ حدیث کے لیے کوٹلہ شیخاں مولانا سلطان محمود دیوبندی کے پاس آئے اور ان سے دورۂ حدیث کیا۔

مسند تدریس پر:

تکمیل تعلیم کے بعد موضع ڈھل نجیب نزد سالار دھن میں تدریس کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ بعدازاں مولوی محمد شفیع صاحب کے مدرسہ سراج العلوم کبیر والا میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

مدرسہ سراج العلوم سے آپ کو اپنی مادر علمی درس گاہ موضع غوث پورہ تدریس کے لیے دعوت دی گئی۔ یہاں کافی عرصہ تدریس کے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔ موضع غوث پورہ چھوڑنے کے بعد آپ ککڑ ہٹہ کبیر والا آ گئے اور تحریک اشاعت التوحید سے تعلق قائم کیا۔ تحریک اشاعت التوحید والے سماع موتی کے قائل نہیں تھے۔ ککڑ ہٹہ میں بھی مفتی صاحب نے مدرسہ احیاء العلوم کے نام سے قائم کیا اور یہاں کافی عرصہ تدریس جاری رکھی۔ ککڑ ہٹہ ہی میں دیوبندی حیاتیوں سے اختلاف ہوا اور ککڑ ہٹہ چھوڑ کر قادر پور راواں نزد ملتان تشریف لے آئے۔

قادر پور راواں میں امامت وخطابت کے فرائض شروع کیے۔ شروع شروع میں مفتی صاحب حنفی المذہب تھے۔ مطالعہ حدیث سے آپ کا ذوق تحقیق وتفتیش کی طرف مائل ہوا اور تحقیق وتفتیش کے دوراں تقلید جامد کا زور ٹوٹ گیا پھر عامل بالحدیث ہو گئے۔

آپ کے عامل بالحدیث ہونے کا واقعہ محترم ومکرم کریم بخش مہتمم جامعہ محمدیہ ملتان نے مجھے سنایا۔

کریم بخش صاحب فرماتے ہیں:

''مولانا مفتی اللہ بخش ملتانی اور مولوی احمد سعید ملتانی چتروڑ گڑھی (جو مفتی صاحب کے ہم سبق بھی ہیں) نے مسلک اہل حدیث کا اعلان کرنا تھا۔ مگر یہ شرف صرف مفتی اللہ بخش صاحب کے حصہ میں آیا۔''

بقول شاعر ؎

منزل کی طلب ہوتی ہے جنہیں گرداب سے کب گھبراتے ہیں
محدود ہو جن کا ذوقِ طلب ساحل پہ وہی رہ جاتے ہیں

مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جب مسلک حقہ قبول کیا لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ آپ کو بہت اذیت دی گئی اور قادر پور راواں کی مسجد سے نکال دیا گیا۔

وہی لوگ جو آپ کو ادب واحترام سے مولانا، مفتی کے القابات سے نوازتے تھے، اب ڈنڈے اٹھا کر آ گئے اور آپ کو غیر مقلد، وہابی اور ملحد کے القابات سے پکارنے لگے۔ اور بڑی بے دردی سے قادر پور راواں سے نکال دیا۔ لیکن مفتی صاحب نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ حق وصداقت پر ڈٹے رہے۔ کلمہ حق کہنے سے باز نہ آئے۔

بقولِ شاعر ؎

صداقت کے بیان سے مومن رک نہیں سکتا
اتر سکتا ہے سر خوددار کا مگر جھک نہیں سکتا

مفتی صاحب رحمہ اللہ تھکے ہارے غم زدہ حالت میں ملتان پہنچے۔ جماعت اہل حدیث کے سرکردہ حضرات نے جب یہ سانحہ سنا تو مفتی صاحب کے پاس آئے اور آپ کو تسلی دی اور ساتھ ہی جامعہ محمدیہ عام خاص میں تدریس کے پیش کش کر دی۔ یہاں تین سال مفتی صاحب مسند تدریس پر متمکن رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ خطبہ الجمعہ جامعہ مسجد محمدیہ میں ارشاد فرماتے رہے۔

بعدازاں مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا شمس الحق رحمہ اللہ کی خواہش پر دارالحدیث رحمانیہ چونگی نمبر ۱۴ تشریف لے آئے۔ اور یہاں کافی عرصہ تعلیم وتدریس سے وابستہ اور شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر متمکن رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ خطابت کے فرائض بھی جامعہ رحمانیہ میں سرانجام دیتے رہے۔

جامعہ رحمانیہ میں رہ کر آپ نے بیک وقت تعلیم وتدریس دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کا شغل جاری رکھا۔ مفتی صاحب داعی الی التوحید

تھے۔آپ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جامعہ رحمانیہ میں ایک مقتدی نے مجھ سے کہا کہ جناب آپ کو توحید کے علاوہ اور کوئی موضوع نہیں آتا تو مفتی صاحب نے جواب دیا:

''ربّ کے قرآن کی ہر ہر آیت، دعوتِ توحید کا درس دیتی ہے۔اس لیے میں بھی توحید کا علمبردار ہوں۔''

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

مفتی صاحب کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ان میں قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی اور علامہ ضیاء اللہ شاہ بخاری قابل ذکر ہیں۔مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے گھر اشرف کالونی نزد رحیم چوک معصوم شاہ روڈ ملتان میں ادارہ اشاعت توحید وسنت بنا رکھا تھا۔جہاں آپ سے عام لوگ بھی مستفید ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ مفتی صاحب حافظ عبدالکریم ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مدرسہ ''کلیۃ البنات'' ڈیرہ غازی خان اور حاجی عبدالتواب کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ محمدیہ اہل حدیث دوکوٹہ میلسی بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

مفتی صاحب ایک بہترین مدرس، مبلغ اور معلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مناظر بھی تھے آپ خود بتایا کرتے تھے کہ میں نے کافی مناظروں میں حصہ لیا ہے اور امین اوکاڑوی کو شکست دی ہے بلکہ جس مناظرہ میں مفتی صاحب تشریف لاتے امین اوکاڑوی نہیں آتا تھا۔

تقریباً ۲۰۰۱ء میں فضیلۃ الشیخ مولانا محمد شریف خان چنگوانی مدیر عام مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان نے مفتی صاحب کو مرکز ابن القاسم اسلامی میں تدریسی امور سرانجام دینے کی دعوت دی اور آپ کو شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز کیا۔مرکز ابن القاسم میں تادم آخریں پڑھاتے رہے۔

راقم الحروف کو بھی مفتی صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔راقم نے آپ سے تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری الہدایہ، اصول الشاشی اور سراجی فی علم الفرائض پڑھی۔مفتی صاحب بہت ہی کامیاب مدرس تھے۔طریقہ تدریس نہایت آسان تھا۔دورانِ تدریس مشکل سے مشکل عبارت حل کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔

مرکز ابن القاسم میں تدریس کے دوران خطابت جامع مسجد ابن تیمیہ معصوم شاہ روڈ ملتان میں کرتے تھے۔آپ ہر سال ماہِ رمضان میں جامع مسجد اہل حدیث ترین روڈ ملتان قرآنِ پاک کا خلاصہ بیان کرتے تھے۔

شائقین درسِ قرآن اور خلاصۃ القرآن کا سماع کرنے کے لیے دور دور سے تشریف لاتے تھے۔مرکز ابن القاسم الاسلامی میں تدریس کے دوران آپ کی صحت خراب رہنے لگی۔مرگی کا مرض بڑھتا گیا۔بالآخر صاحب فراش ہوگئے۔گھر والوں نے کافی علاج ومعالجہ کروایا۔جس سے کچھ افاقہ ہوا اور صحت بحال ہوئی۔

اسی دوران مرکز القادسیہ چوبرجی چوک لاہور میں آپ کو قاضی کے کورس کروانے کے لیے دعوت دی گئی آپ نے حسب طاقت حصہ ڈالا۔لیکن صحت دوبارہ ناساز ہوگئی۔آخری ایام میں آپ اپنے گھر اشرف کالونی ملتان میں تشریف فرما تھے۔روزانہ صبح کی نماز کے بعد درسِ قرآن پاک ارشاد فرماتے تھے۔اچانک مرگی کا دورہ پڑا اور آپ کو نشتر ہسپتال داخل کروایا گیا لیکن اب اللہ تعالیٰ کو اور ہی منظور تھا۔وہاں پہنچ کر مفتی صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔جامعہ محمدیہ عام خاص باغ میں آپ کا جنازہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن رحمانی آف عبدالحکیم نے پڑھایا۔جنازے میں علمائے کرام کے علاوہ عوام کا جم غفیر تھا۔دوسرا نمازِ جنازہ اڈا اسبیل خانیوال میں ادا کیا گیا۔آپ کو آپ کی مادر علمی اور اڈا اسبیل کے قبرستان میں سپردِ خاک کردیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب کی باقیات میں تین بیٹے عبدالرحمٰن، عبدالحنان (دونوں کاروبار کرتے ہیں) اور عابد مستعان (ابوہریرہ اکیڈمی لاہور میں زیرِ تعلیم ہے۔) اور چار بیٹیاں ہیں۔

مفتی صاحب ایک درویش منش، سادہ طبیعت، سادہ بودوباش، دھیمے مزاج اور ٹھنڈی میٹھی طبیعت کے مالک تھے۔اور علمی وتحقیقی مزاج رکھنے والی شخصیت تھے۔

مفتی صاحب، صاحب علم وفضل، تحقیق ودانش، زہد وورع، خلوص اور سادگی کے اعتبار سے عظیم اسلاف کے وارث تھے۔

آپ کے اٹھ جانے سے ایک بڑا علمی خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ملتان شہر تھوڑے ہی عرصہ میں اساطین علم وفضل سے محروم ہو رہا ہے۔ اب ایسی نامور شخصیات چراغ رخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔ آپ کی علمی ودینی ومسلکی خدمات لازوال ہیں۔

تالیفی خدمات:

مفتی صاحب کا اصل شغل تدریس تھا۔ لیکن تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے چند مفید رسائل بھی تحریر کیے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

①...... قصص القرآن (دو حصے): جن میں انبیاء کرام کے واقعات بیان کیے ہیں اور ہر واقعہ کے ساتھ توحید کی دعوت پیش کی گئی ہے۔

②...... **ما یفید الناس فیما قال بعض الناس**: ایک علمی وتحقیقی رسالہ ہے۔ جس میں امام بخاری کی سیرت پر مبنی مقدمہ اوران مقامات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس میں امام بخاری نے بعض الناس کا ردّ کیا ہے۔

③...... تین طلاق: ایک مجلس کی تین طلاقیں مفتی خیر المدارس ملتان کے فتویٰ کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

④...... دینی امور پر اجرت: دینی امور پر اجرت لینے کے جواز میں مختصر ومدلل رسالہ ہے۔

⑤...... اربعین حدیث اربعین آیات: حیات نبی ﷺ پر مبنی دو علمی رسائل ہیں جن میں سماع موتی کے ردّ پر عمدہ بحث ہے۔

⑥...... صلاۃ الموحدین: کے نام سے نماز نبوی قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کی ہے۔

⑦...... کتاب الدعوات: یہ رسالہ ادعیہ ماثورہ پر تحریر کردہ ہے۔

⑧...... تنقید پر تنقید: نزولِ مسیح کے بارے صحیح بخاری کی دو روایات پر تنقید نامی رسالہ پر مفتی صاحب نے نقد واخذ کیا ہے اوراس کا عمدہ جواب دیا ہے۔

یہ کل آٹھ رسائل ہیں جو آپ کی یادگار ہیں۔

❀❀............❀............❀❀

چلو!

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے ہوئے چلو
ایقان کے چراغ جلاتے ہوئے چلو
جن کو مٹا سکے نہ کوئی دورِ انقلاب
کچھ ایسے نقش بھی تو بناتے ہوئے چلو
جاگے ہوؤں کو گرمیِ رفتار بخش دو
سوتے مسافروں کو جگاتے ہوئے چلو
انکار نے دلوں کو بہت سرد کر دیا
سوزِ یقیں سے آگ لگاتے ہوئے چلو
ضامن ہے عافیت کی سلامت روی کی چال
کہتا ہے کون ، حشر اٹھاتے ہوئے چلو
دل میں خدا کا خوف نہیں ہے تو کچھ نہیں
یہ بات ہر کسی کو بتاتے ہوئے چلو
شایانِ التفات فقط پھول ہی نہیں
کانٹوں کی تشنگی بھی بجھاتے ہوئے چلو
اب وقت ہے کہ شعر و ادب کی زبان سے
مفہومِ لا الٰہ بتاتے ہوئے چلو

[ماہرالقادری]